غالب
نقش ہائے رنگ رنگ
افتخار احمد عدنی

غالب

نقش ہائے رنگ رنگ

افتخار احمد عدنی

پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی
70-شاہراہِ قائدِ اعظم، لاہور

طبع اول	2005ء
تعداد	ایک ہزار
مصنف	افتخار احمد خان عدنی
سرورق	محمد جاوید
قیمت	300.00 روپے
طابع	مکتبہ جدید پریس، لاہور

ناشر

پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی

70، شاہراہ قائدِ اعظم، لاہور

تقسیم کار

کوآپرا بک سنٹر اینڈ آرٹ گیلری

70، شاہراہ قائدِ اعظم، لاہور

فون: 042-7321161

ترتیب

اظہار تشکر

اس کتاب کے مصنف جناب افتخار احمد عدنی صاحب نے اپنی زندگی میں ہی کمپوزنگ کا کام شروع کروادیا تھا مگر خدا نے اتنا موقع نہ دیا کہ وہ اس کام کو مزید آگے بڑھا سکیں۔ وہ 9 اکتوبر 2004ء کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ حق تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ غالب کے فارسی اشعار کا اردو میں ترجمہ کر کے ہمارے لیے ایک قیمتی سرمایہ چھوڑ گئے ہیں۔

پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی لاہور عدنی صاحب کے صاحبزادے عمر افتخار کی شکرگزار ہے کہ انہوں نے اس کتاب کی اشاعت کا کام سوسائٹی کے ذمہ ہی رہنے دیا اور اپنے والد محترم کے مدعا کو جاری رکھا۔ جناب پروفیسر محمد زمان نے بھی اپنا قیمتی وقت کتاب کی تدوین اور اشاعت میں صرف کر کے عدنی صاحب سے محبت کا اظہار کیا اور سوسائٹی کے لئے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ انشاءاللہ یہ کتاب پڑھنے والوں کے لئے بڑی دلچسپی کا باعث بنے گی۔

محمد جاوید

سیکرٹری جنرل

پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی لاہور

عدنی صاحب کی غالب شناسی

غالب کو اپنے فارسی کلام پر ناز تھا اور اردو شاعری کو" بے رنگ من است" قرار دیتے تھے۔ یہ بھی موصوف ہی نے فرمایا تھا کہ" شہرت شعرم بہ گیتی بعد من خواہد شدن" بے شک" کلام غالب" کے ڈنکے دنیائے ادب میں بجتے رہیں گے مگر زیادہ تر عام فہم اردو کلام کی بدولت۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ غالب شناسی کا حق ادا کرنے کے لیے فارسی شعریات کا مطالعہ اشد ضروری ہے۔

جناب افتخار احمد عدنی کا شمار بہر طور ممتاز غالب شناسوں میں ہوتا ہے۔ بذات خود سچے ادب دوست صوفی، باکمال شاعر، ادیب، محقق، انشا پرداز اور مترجم، عظیم انسان، مثالی صاحب قلم۔ حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ نے ایسے ہی صفائے قلب رکھنے والے انسانیت نوازوں کے لیے کیا خوب فرمایا ہے ؎

" تمام آدمی اچھے نہیں ہوتے جس طرح سارے پرندے ہنس نہیں ہیں۔

بہار کی خوشبو تو کسی کسی سے آتی ہے"

عدنی صاحب سے میری نیازمندی پچھلے چالیس برسوں پر محیط ہے۔ میں بڑا خوش نصیب ہوں کہ ان کی آخری تحریر 121 صفحات پر مشتمل وہ مقدمہ ہے جو مرحوم نے میری مطبوعہ کتاب" کون اختر حامد خاں" کے لیے عنایت کیا تھا۔ مرحوم نے ایسے تاریخی حقائق قلمبند فرمائے ہیں کہ پورا مقدمہ ایک بیش بہا دستاویز ہے۔ عالی جی نے ان کی وفات کو بجا طور پر قومی زیاں قرار دیا ہے۔ میں نے سال بھر پہلے ان کی شخصیت اور کارناموں پر ایک کتاب پیش کرنے کی بات چھیڑی تو مسکرا کر فرمایا" آپ کا شکریہ مگر اس کی کیا ضرورت ہے؟"

میں نے جواباً عابد حشری مرحوم کا یہ مصرعہ دہرایا ؎

" دل کے معاملات ہیں، دل کے معاملات"

وہ لمحہ بھر خاموش رہے اور پھر بڑی آہستگی سے بولے" تھوڑا انتظار کر لیجیے"

روزنامہ ایکسپریس کے ادبی صفحات پر عدنی صاحب کا انٹرویو (مصاحبہ) شائع ہونا تھا، اس سلسلے میں شمیم نوید سے دن اور تاریخ کا تعین کر لیا تھا۔ رابطہ کیا گیا تو بتایا کہ" لاہور جا رہا ہوں واپسی پر مناسب رہے گا۔"

واپس آئے تو طبیعت ناساز رہی اور ایک دن چپکے سے 19 اکتوبر 2004ء کو یہ دنیا ہی چھوڑ گئے اور موصوف کی

پیروی میں کچھ دنوں کے بعد بھائی شمیم نوید بھی مرحوم کہے جانے لگے۔ پچھلے دنوں بھائی اختر حامد خاں کے تحریر کردہ خاکوں کی کتاب ''چند بزرگ'' کا تیسرا ایڈیشن منظر عام پر آیا تو اس میں پہلا خاکہ '' عدنی خاں مرحوم'' پڑھ کر دیر تک سوچتا رہا کہ '' کتنے نیک دل انسان تھے'' بھائی اختر حامد کی تنقیدی بصیرت بھی ان کے کردار میں کوئی نقص نہ تلاش کر سکی۔

اب '' غالب...... نقش ہائے رنگ رنگ'' پر چند معروضات پیش کرنے سے پہلے یہ عرض کرتا چلوں کہ عنقریب ''عدنی بابا'' کے نام سے ہماری نئی کتاب شائع ہونے والی ہے' جس میں عدنی صاحب کی غالب شناسی' فارسی دانی' ذوق شعری اور غالب کے اشعار کا یہ منظوم ترجمہ مذکورہ کتاب کے اہم موضوعات ہوں گے۔ فی الوقت ان کی غالب شناسی کے حوالے سے دو کتابوں کا کچھ تذکرہ ضروری ہے۔

پہلی قابل قدر کتاب کا نام ہے'' غالب کی فارسی غزلوں سے انتخاب (ترجموں کے ساتھ) ترجمے اردو میں عدنی صاحب کے اور انگریزی میں اردو و فارسی شعر و ادب کے دلدادہ پروفیسر رالف رسل (Ralph Russell) کے اعجاز قلم کا کرشمہ ہیں۔

سرورق پر مرزا غالب کی بڑی دلکش تصویر دو آتشہ سرور کی حامل ہے' وہ اس طرح کہ لمبی چوڑی کتاب کو دائیں جانب سے دیکھیں تو نمایاں ترین نقش غالب کی تصویر ہی کا ابھرتا ہے پھر فلیپ پر عدنی صاحب کی صوفیانہ تصویر اور سوانحی کوائف مثلاً یہ کہ ادبی زندگی کا آغاز 1948ء میں ادب لطیف کے لیے ایک مضمون '' گیر ودار'' لکھنے اور شائع ہونے سے ہوا۔ ماہنامہ'' ساقی'' میں 1949ء سے استہزائیہ تحریریں شامل اشاعت رہیں مگر 1950ء میں پاکستانی سول سروس کی شمولیت نے ادب سے ہنگامی طور پر قدرے بے نیاز کر دیا۔ تحریری جوہر تو کچھ عرصے تک نمایاں نہ ہوا البتہ ذوق مطالعہ برقرار رہا۔

1962ء میں پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی کے سیکریٹری ہوئے تو جسٹس ایم آر کیانی مرحوم کی پہلی انگریزی کتاب کو ترتیب دینے اور بڑے اہتمام سے شائع کرنے کا کام عدنی صاحب کو سونپا گیا پھر ان کی تمام انگریزی اور اردو نگارشات کی تدوین و اشاعت موصوف ہی کے ذمے رہی۔

1978ء میں 'نیپا' (NIPA) کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ سرکاری مصروفیات کا بار زیادہ نہ رہا تو غالب کی فارسی غزلوں کے منظوم تراجم کا کام شروع کر دیا جو رفتہ رفتہ اتنا بڑھتا گیا کہ اس کا کچھ حصہ تو مذکورہ کتاب میں شامل ہوا جو انجمن ترقی اردو پاکستان' کراچی کے تعاون سے 1999ء میں منظر عام پر آئی۔

بائیں جانب کے سرورق پر غالب کی وہی تصویر ہے جو دائیں طرف ہے البتہ ادھر کتاب کا نام اردو میں ہے اور ادھر انگریزی میں اور فلیپ پر مترجم کی تصویر اور سوانحی کوائف مثلاً یہ کہ 1918ء میں ولادت پائی۔ سینٹ جونس کالج

کیمبرج میں حصول تعلیم کے مراحل طے ہوئے۔ کلاسکس اور جغرافیہ سے خصوصی رغبت رہی۔ اردو اور فارسی زبان و ادب کا ذوق و شوق اتنا بڑھا کہ کئی کتابیں انگریزی زبان میں اردو شعر و ادب پر ہیں۔ شرف ملاقات دو تین مرتبہ مجھے بھی حاصل ہوا۔ بڑے شستہ وشائستہ لہجے میں اردو بولتے ہیں۔ غالب کی غزلوں کا انگریزی ترجمہ عمدگی سے کیا ہے۔

عدنی صاحب کی دوسری اہم کتاب کا نام ''غالب شناسی کے کرشمے'' ہے۔ جس کی اشاعت اپریل 1995ء میں لاہور سے پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی کے زیر اہتمام ہوئی۔

اس کتاب میں اپنے دلکش طرز تحریر کا جادو جگاتے ہوئے جو پیش لفظ انہوں نے رقم کیا' اسے ''پس نوشت'' کا نام دیا ہے۔ جس کا اختتام بڑے بانکپن سے کچھ یوں ہوا ہے:

''اپنے فارسی کلام پر ناز کرنے والے اس عظیم شاعر نے آخر جان اپنی مادری زبان ہی میں دی اور یہ آخری شعر کہہ کر اردو شاعری سے اپنی طویل بے اعتنائی کے سارے قرضے چکا دیئے اور ساتھ ہی ماتھے پر ایک ٹیکہ بھی لگا دیا۔''

عدنی صاحب نے جس شعر کا حوالہ دیا ہے وہ دم آخر مرزا غالب کے ورد زباں رہا۔

دم واپسیں برسر راہ ہے　　　عزیزو! اب اللہ ہی اللہ ہے

اہل تحقیق کہتے ہیں کہ یہ شعر غالب کا نہیں خواجہ میر درد کا ہے۔ بہر کیف اپنی آخری سانسوں میں یہ شعر واقعی انہوں نے بار بار پڑھا جیسا کہ خواجہ الطاف حسین حالی نے لکھا ہے' تاہم موصوف نے خواجہ میر درد کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

حالی کی جو عبارت عدنی صاحب نے اقتباس کے طور پر پیش کی ہے وہ درج ذیل ہے:

''مرنے سے دو روز پہلے بے ہوشی طاری ہوگئی تھی۔ پہر دو پہر کے بعد چند منٹ کے لیے افاقہ ہو جاتا تھا پھر بے ہوش ہو جاتے تھے۔ مرنے سے پہلے اکثر یہ شعر ورد زباں رہتا تھا۔''

O

عدنی صاحب کی دلچسپ کتاب کے موضوعاتی لحاظ سے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے کا نام ہے ''غالب شناسی کے کرشمے'' اور جن عنوانات پر اس حصے کے مضامین ہیں وہ یہ ہیں: غالب اور عصمت' غالب شناسی کی زد میں ایک نشست' فارسی غزل اور ترجمہ' غالب کے تصرفات' غالب کا قہقہہ بار شعر اور غالب وفرہاد۔

دوسرے حصے کا نام ہے'' غالب شناسی کی جھلکیاں'' اور اس کے مضامین ہیں: غالب اور تصوف' غالب کی شاعری میں حمد و نعت کی جلوہ گری' فارسی غزلیں اور ترجمہ' ایک منفرد فارسی غزل کا پس منظر' غالب کی منفرد فارسی غزل' غالب اقبال اور ذہین (ہم طرح غزلوں کے آئینے میں)' صبا اکبر آبادی کا ایک شعر غالب کی زمین میں۔

عدنی صاحب کی غالب شناسی اور بالخصوص فارسی کلام سے اتنی دلچسپی کہ "نقش ہائے رنگ رنگ" سے پہلے ہی مذکورہ دو قابل قدر کتابوں سے جو دلکش منظوم اردو تراجم غالب کے کلام کی فکری و فنی رعنائیوں کے مظہر ہیں' ان کو دیکھ کر ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ مترجم کو ترجموں میں تخلیقی محاسن پیدا کرنے کا سلیقہ ہے جواب زیادہ نکھر کر پیش نظر تراجم میں ابھرا ہے مثلاً درج ذیل اشعار کا منظوم ترجمہ دیکھیے

خاموشی ما گشت بد آموز بتاں را — زیں پیش وگرنہ اثرے بود فغاں را

خاموشی ہماری ہی بد آموزِ بتاں ہے — تھی پہلے جو فریاد میں تاثیر کہاں ہے

☆☆☆

سوزد ز بسکہ تاب جمالش نقاب را — دانم کہ درمیاں نہ پسندد حجاب را

تابِ جمال سے جو جلا دے نقاب کو — برداشت کیا کرے گا وہ ظالم حجاب کو

☆☆☆

تا رغبت وطن نبودٗ از سفر چہ حظ — آں را کہ نیست خانہ بہ شہراز خبر چہ حظ

الفت نہ ہو وطن کی تو حاصل سفر سے کیا — جس کا نہ گھر ہو شہر میں اس کو خبر سے کیا

ترجمے کے ساتھ ایسے بہت سے اشعار پیش کیے جا سکتے ہیں مگر مجموعی طور اس کتاب کے قارئین خود ہی فیصلہ کریں گے کہ عدنی صاحب نے کتنی برجستگی' روانی اور موزونیت سے ترجمے کا حق ادا کیا ہے۔ اس طرح کہ ترجمہ لفظی نہیں بلکہ معنوی ہے۔ نثری ترجمہ تو آسان ہوتا ہے۔ اشعار کا اشعار کی صورت میں ترجمہ کرنا اور وہ بھی پوری پوری غزلوں کا ...... ذرا سوچیے یہ دشوار کام مترجم نے کتنی مہارت اور دلجمعی سے کیا ہوگا کہ محاسن شعری برقرار رہیں اور جو بات غالب نے فارسی میں کہی ہے وہ اپنے مفہوم کو اردو میں عمدگی سے واضح کر سکے۔

قوی امید ہے کہ اس کتاب سے غالب شناسوں کو دلی مسرت ہوگی اور جو اہل قلم غالب کے فکر و فن پر مضامین لکھتے رہتے ہیں یقیناً یہ کتاب ان کے لئے ایک بیش بہا سوغات ثابت ہوگی۔ خدا کرے کہ پاکستان رائٹرز کو آپریٹو سوسائٹی عدنی صاحب کے نام اور کام کو سدا زندہ رکھے اور اس کتاب کی اشاعت شایانِ شان انداز میں ہو۔

پروفیسر آفاق صدیقی

کراچی

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

بسمِ اللہ الرّحمٰنِ الرّحیم

حمد

اے بہ خلا و ملا خُوئ تو ہنگامہ زا
با ہمہ در گفتگو بے ہمہ با ماجرا

شاہدِ حُسنِ ترا در روشِ دلبری
طُرّۂ پُر خم صفات، موئ میانِ ماسوا

دیدہ وراں را کند دیدِ تو بینش فزوں
از نگہِ تیز رو گشتہ نگہ توتیا

آب نہ بخشی بہ زور، خونِ سکندر ہدر
جاں نہ پذیری بہ ہیچ، نقدِ خضر ناروا

بزمِ ترا شمع و گل خستگیِ بوتراب
سازِ ترا زیر و بم واقعۂ کربلا

نکبتیانِ ترا قافلہ بے آب و ناں
نعمتیانِ ترا مائدہ بے اشتہا

گرمیِ نبضِ کسے کز تو بہ دل داشت سوز
سوختہ در مغز خاک ریشۂ دار و گیا

مصرفِ زہرِ ستم دادہ بیادِ تو ام
سبز بود جای من در دہنِ اژدہا

کم مشمر گریہ ام زانکہ بہ علمِ ازل
بودہ درین جوئ آب گردشِ ہفت آسیا

سادہ زعلم و عمل مہرِ تو ورزیدہ ایم
مستیِ ما پایدار، بادۂ ما ناشتا

خُلد بہ غالب سپار زآنکہ بدان روضہ در
نیک بود عندلیب، خاصہ نوآئیں نوا

تیرے کرشموں سے پُر قلبِ خلا وملا
گفتگو ہر ایک سے، امر میں سب سے جدا

شاہدِ حسنِ ازل تیری عجب دلبری
طُرّہ صفاتِ قدیم، موئے کمر ماسوا

بینشِ دیدہ وراں دید سے تیری فزوں
تیز نگاہی سے ہے ان کی نظر توتیا

آبِ بقا کے قریں خونِ سکندر ہدر
ہدیۂ جاں مسترد، نقدِ خضر ناروا

شمع تری بزم کی خستگی بوتراب
نغمہ ترے ساز کا واقعۂ کربلا

خستہ تری راہ کے قافلۂ بے آب وناں
جن پہ کرم ہے، انہیں مائدہ بے اشتہا

ہیں جو ترے سوختہ ان کی تپش کے سبب
جل ہی گیا خاک میں ریشۂ داروگیا

زہرِ ستم سے ہے پُر اس طرح میرا وجود
میرے لیے جائے سکوں، ہے دہنِ اژدھا

گریہ مرا کم نہیں روزِ ازل بے گماں
تھی اسی سیلاب میں گردشِ ہفت آسیا

علم وعمل سے تہی، غرقِ محبت ہوں میں
مستی مری پائیدار، بادہ مرا ناشتا

خُلد میں غالب کو رکھ زیبِ چمن کے لیے
چاہیے اک عندلیب اس میں خوش آئیں نوا

تعالیٰ اللہ برحمت شاد کردن بے گناہاں را
خجل نپسندد آزرمِ کرم بے دستگاہاں را

خویِ شرمِ گنہ در پیش گاہِ رحمتِ عامت
سُہیل وزُہرہ افشاندہ ز سیما روسیاہاں را

زہے دردت کہ با یک عالم آشوبِ جگر خائی
دود در دل گدایاں را و در سر پادشاہاں را

بہ حرفے حلقہ در گوش افگنی آزاد مرداں را
بہ خوابے مغز در شور آوری بالیں پناہاں را

زشوقت بیقراری آرزو' خارا نہاداں را
بہ بزمت لائے خواری' آبرو پرویز جاہاں را

بہ داغت شادم اما زیں خجالت چوں بروں آیم
کہ رشکم در جحیم افگند' خلد آرامگاہاں را

بہ دلہا ریختی یک سر شکستن' ہم زیزداں داں
کہ لختے بر خمِ زلف وکُلہ زد کج کلاہاں را

بنازم خوبیِ خون گرم محبوبے کہ در مستی
کند ریش از مکیدنہا زبانِ عذر خواہاں را

بہ مے آسایشِ جانہا بداں ماند کہ ناگاہاں
گذر بر چشمہ افتد تشنہ لب گم کردہ راہاں را

ز جورش داوری بردم بہ دیواں لیک زیں غافل
کہ سعیِ رشکم از خاطر برد نامش گواہاں را

گسستِ تار و پودِ پردۂ ناموس را نازم
کہ دامِ رغبتِ نظارہ شد رسوا نگاہاں را

نشاطِ ہستیِ حق دارد از مرگ ایمنم غالب
چراغم چوں گل آشامد نسیمِ صبح گاہاں را

خاموشیِ ما گشت بد آموز بتاں را
زیں پیش وگرنہ اثرے بود فغاں را

منّت کشِ تاثیرِ وفائیم کہ آخر
ایں شیوہ عیاں ساخت عیارِ دگراں را

در طبع بہار ایں ہمہ آشفتگی از چیست
گوئی کہ دل از بیمِ تو خوں گشتہ خزاں را

تا شاہدِ رازت بہ خموشی شدہ رسوا
چوں پردہ برخسار فرو ہشت بیاں را

تعالیٰ اللہ! کرم تیرا، بشارت بے گناہوں کو
نہ چھوڑے گی خجل رحمت تری بے دستگاہوں کو

ندامت کے پسینے میں سہیل و مشتری لرزاں
عطا کیا کچھ کیا رحمت نے تیری روسیاہوں کو

ترے دردِ محبت کی جہانگیری کے صدقے میں
گدازِ دل فقیروں کو ہے سودا پادشاہوں کو

کیا حلقہ بگوش اک حرف سے آزاد مردوں کو
جھلک سے خواب میں مضطر کیا بالیں پناہوں کو

کیا ہے موم تیرے عشق نے خارا نہادوں کو
تمنا ہے ترے تہ جرعہ کی پرویز جاہوں کو

ہوں داغِ عشق پہ نازاں مگر مجھ کو خجالت ہے
جلا دے رشک کی آتش نہ خلد آرامگاہوں کو

مشیّت تھی کہ تیرے عشق میں سب دل گرفتہ ہوں
دیا حق نے خمِ گیسو جو تجھ سے کج کلاہوں کو

ہمارے گرم خوں محبوب کی مستی ذرا دیکھو
کیا زخمی بوقتِ بوسہ جس نے عذر خواہوں کو

ہمیں ملتی ہے وہ آسائشِ جاں بادہ خواری سے
کہ جیسے پیاس میں چشمہ ملے گم کردہ راہوں کو

جفا و جور کی نالش نہ ہوتی کس لیے خارج
بھلایا رشک نے میرے ہی، نام اس کا گواہوں کو

ہے چاکِ پردۂ ناموس سے مجھ کو عجب راحت
کہ دامِ رغبتِ نظارہ ہے رسوا نگاہوں کو

نشاطِ ہستیِ حق میں ہے غالب مرگ سے ایمن
کرے گی شمعِ ہستی، ہو کے گل، پُرنور راہوں کو

خاموشی ہماری ہی بدآموزِ بتاں ہے
تھی پہلے جو فریاد میں تاثیر کہاں ہے

ہے اپنی وفا کیشی کی تاثیر کہ آخر
محبوب پہ اغیار کا کردار عیاں ہے

کیوں طبعِ بہاراں میں ہے آشفتگیِ رنگ
لگتا ہے ترے خوف سے خوں گشتہ خزاں ہے

خاموشی کے انداز سے رسوا جو ہوا راز
دلدار کا اب پردہ فقط حسنِ بیاں ہے

در مشربِ بیدادِ تو خونم مئے ناب ست کز ذوق بہ خمیازہ در افگند کماں را

بر طاعتیاں فرّخ و بر عشرتیاں سہل نازم شبِ آدینہء ماہِ رمضاں را

اینک زدہ ام بالِ تقاضا ز دو مصرع تامژدۂ معراج دہم سعیِ بیاں را

زینساں کہ فرو رفتہ بہ دل پیر و جواں را مژگانِ تو جوہر بود آئینۂ جاں را

واداشت سگِ کویِ تو زیں حد نشناسی در پایِ تو می خواستم افشاند رواں را

بر تربتم از نخلِ قدت جلوہ فرو بار تا خاک کند نو بر ازاں پائے نشاں را

جستیم سراغِ چمنِ خلد بہ مستی در گردِ خرامِ تو رہ افتاد گماں را

اے خاک درت قبلہء جان و دلِ غالب
کز فیضِ تو پیرایۂ ہستیست جہاں را

تا نامِ تو شیرینیِ جاں دادہ بہ گفتن در خویش فرو بردہ دل از مہر زباں را

بر اُمّتِ تو دوزخِ جاوید حرامست حاشا کہ شفاعت نہ کنی سوختگاں را

❁ ❁

چوں عذارِ خویش دارد نامۂ اعمالِ ما سادہ پُرکارِ فراواں شرمِ اندک سالِ ما

میلِ ما سوی وے و میلش بسوی چوں خودیست آرد از خود رفتنش ناگہ باستقبالِ ما

حالِ ما از غیر می پرسی و منّت می بریم آگہی بارے کہ آگہ نیستی از حالِ ما

عیش و غم در دل نمی استد خوشا آزادگی بادہ و خونابہ یکسانست در غربالِ ما

ماہمایِ گرم پروازیم فیض از ما مجوے سایہ ہمچو دود بالا می رود از بالِ ما

خونِ دلِ عشاق کو سمجھے ہے مئے ناب
انگڑائی میں جس بت کا بدن مثلِ کماں ہے

عشرت کے لیے سہل ہے، طاعت کے لیے خوب
رحمت شبِ آدینۂ ماہِ رمضاں ہے

ہے بال کشا طبع جو پہنائے فضا میں
دو مصرعوں میں یہ مژدۂ معراج بیاں ہے

گھائل تری مژگاں سے دلِ پیر و جواں ہے
ہاں درد ترا جوہرِ آئینہ جاں ہے

درباں نے مجھے حد نشناسی سے رکھا دور
شاہا، ترے قدموں پہ نچھاور مری جاں ہے

کر سایہ فگن قبر پہ میری قدِ زیبا
اس خاک کو نو بر ترے پاؤں کا نشاں ہے

مستوں کو بھلا عشق میں کیا خلد کی خواہش
ذرّوں پہ تری راہ کے، جنت کا گماں ہے

ہاں قبلۂ جان و دلِ غالب ہے ترا در
ہستی تری آرائشِ گلزارِ جہاں ہے

لینے میں ترا نام وہ شیرینیِ جاں ہے
دل ڈوب کے اک کیف میں دمسازِ زباں ہے

امّت کو تری دوزخِ جاوید کا کیا ڈر
جب تیری شفاعت کو غمِ سوختگاں ہے

✻

کیا کہوں کیوں صاف میرا نامۂ اعمال ہے
یار سادہ دل ہے، شرمیلا ہے، اندک سال ہے

وہ بھی میری طرح سرگرداں کسی کے غم میں ہے
یارِ از خود رفتہ سے امیدِ استقبال ہے

غیر سے پوچھا مجھے، کیسا گلہ، احساں ہے یہ
جاننا تیرا کہ تو ناواقفِ احوال ہے

عیش و غم دل میں کہاں ٹھہریں، خوشا آزادگی
بادہ و خونابہ کو یکساں مری غربال ہے

فیض مجھ سے مت طلب کر، ہوں ہمائے گرم رو
سایہ میرا مجھ سے اوپر دود کی تمثال ہے

خضر و در سر چشمۂ حیوان فرو غلتیدنش | لغزشِ پائیست کش رو دادہ در دنبالِ ما
باچنیں گنجینہ ارزد اژدھائے ہمچنیں | حلقہ بر گردِ دلِ ما زد زبانِ لالِ ما

جانِ غالب! تابِ گفتارے گماں داری ہنوز؟
سخت بیدردی کہ می پرسی زما احوالِ ما

گر بیائی مست ناگاہ از درِ گلزارِ ما | گل زبالیدن رسد تا گوشۂ دستارِ ما
خستۂ عجزیم و از ما جز گنہ مقبول نیست | تکیہ دارد بر شکستِ توبہ استغفارِ ما
سخت جانیم و قماشِ خاطرِ ما نازکست | کار گاہِ شیشہ پنداری بُود کہسارِ ما
می فزاید در سخن رنجے کہ بر دل می رسد | طوطیِ آئینۂ ما می شود زنگارِ ما
از گدازِ یک جہاں ہستی صبوحی کردہ ایم | آفتابِ صبحِ محشر ساغرِ سرشارِ ما
سر گرانیم از وفا و شرمساریم از جفا | آہ از ناکامیِ سعیِ تو در آزارِ ما
چاک ''لا'' اندر گریبانِ جہات افگندہ ایم | بے جہت بیروں خرام از پردۂ پندارِ ما

غالب از صہبائے اخلاقِ ظہوری سر خوشیم
پارۂ بیش است از گفتارِ ما کردارِ ما

نمی بینیم در عالم نشاطے کا سماں مارا | چو نور از چشمِ نابینا ز ساغر رُفت صہبارا
مکن نازو ادا چندیں، دلے بستاں و جانے ہم | دماغِ نازکِ من برنمی تابد تقاضا را
سرابِ آتش از افسردگی چوں شمعِ تصویرم | فریبِ عشق بازی می دہم اہلِ تماشا را
من و ذوقِ تماشائے کسے کز تابِ رخسارش | جگر بر تابہ چسپد آفتابِ عالم آرا را

خضر آخر چشمۂ حیواں میں غلطیدہ ہوئے
میرے پیچھے لغزشِ پا سے یہ ان کا حال ہے

ایسے گنجینے کی خاطر چاہیے اک اژدھا
دل کو حلقے میں لیے میری زبانِ لال ہے

عرضِ غم کا کس کو یارا' تابِ گویائی نہیں
جانِ غالبؔ' کس لیے اب پُرسشِ احوال ہے

آمدِ ناگاہِ جاناں زینتِ گلزار ہے
شوق سے گل کی پہنچ تا گوشۂ دستار ہے

جب گناہوں کے سوا مقبول ہم سے کچھ نہیں
پھر شکستِ توبہ پر مقسومِ استغفار ہے

میں نے مانا سخت جاں ہوں پر نزاکت دل کی دیکھ
آئینے سے بڑھ کے نازک پیکرِ کہسار ہے

دردِ دل شعروں میں ڈھل کے اور بھی کچھ بڑھ گیا
باعثِ گفتارِ طوطی' زنج کا زنگار ہے

اک جہاں کو ہم نے پگھلایا صبوحی کے لیے
آفتابِ صبحِ محشر' ساغرِ سرشار ہے

سرگراں ہیں ہم وفا سے' اور جفا سے شرمسار
سعیِ لاحاصل یہ تیری کاوشِ آزار ہے

چاک ''لا'' سے کر دیا میں نے گریبانِ جہات
بے جہت کر سیر' اٹھا پردۂ پندار ہے

ہے اثر صہبائے اخلاقِ ظہوری کا اسدؔ
گر مری گفتار سے بہتر مرا کردار ہے

فلک محروم کر دے دید سے جب چشمِ بینا کو
نہ ترسائے مجھے کیوں زندگی بھر جام و مینا کو

نہ کر انداز و نازا تنے' دل و جاں دونوں حاضر ہیں
تقاضے کی کہاں ہے تاب' طبعِ ناشکیبا کو

کیا تصویرِ شمع' غم نے جانِ شعلہ افزا کو
فریبِ عشق دیتا ہوں فقط اہلِ تماشا کو

تمنا اس کے جلوے کی جو اپنے ایک پرتو سے
جلا کے راکھ کر دے آفتابِ عالم آرا کو

دلِ مایوس را تسکین بہ مردن میتوان دادن چہ امید است آخر خضر و ادریس و مسیحا را

سر و کارم بود با ساقیئے کز تندی خویش نفس در سینہ می لرزد ز موجِ بادہ مینا را

خطے بر ہستیِ عالم کشیدیم از مژہ بستن زخود رفتیم و ہم با خویشتن بردیم دنیا را

در آغوشِ تغافل عرض یکرنگی تواں دادن تہی تا می کنی پہلو بہ ما بنمودۂ جا را

نمی رنجد کہ در دامِ تغافل می تپد صیدش نمی دانم چہ پیش آمد نگاہِ بے محابا را

ازیں بیگانگی ہا می تراود آشنائی ہا حیا می ورزد و در پردہ رسوا می کند ما را

حذر از زمہریرِ سینۂ آسودگاں غالب
چہ منت ہا کہ بر دل نیست جانِ ناشکیبا را

دلم بر رنجِ نابرداریِ فرہاد می سوزد خداوندا! بیامرز آں شہیدِ امتحانی را

چو خود را ذرّہ گویم رنجد از حرفم، زہے طالع زخود میداندم بے مہر نازم مہربانی را

فدایت دیدہ و دل، رسمِ آرائش مپرس از من خرابِ ذوقِ گل چینی چہ داند باغبانی را

نشاطِ لذّتِ آزار را نازم کہ در مستی ہلاکِ فتنہ دارد ذوقِ مرگِ ناگہانی را

دلم معبودِ زردشت است، غالب فاش می گویم
بہ خس یعنی قلم من دادہ ام آذرفشانی را

آشنایانہ کشد خارِ رہت دامنِ ما گوئی ایں بود ازیں پیش بہ پیراہنِ ما

بے تو چوں بادہ کہ در شیشہ ہم از شیشہ جدا است نبود آمیزشِ جاں در تنِ ما با تنِ ما

تمنا موت کی ہے ہر دلِ مایوس کا چارہ
ہے کیا امید آخر خضر وادریس ومسیحا کو

سروکار ایسے ساقی سے کہ جس کی تندیِ خونے
کیا ہے موجِ مے سے لرزہ براندام مینا کو

جب آنکھیں بند کیں کھینچا خطِ تنسیخ عالم پر
خود اپنے سے گئے ہم ساتھ لے کے ساری دنیا کو

وہ آغوشِ تغافل میں ہے یکرنگی پہ گو قادر
مگر پہلو بدل کے لطف سے خالی کیا جا کو

ذرا پروا نہیں، تڑپے کوئی دامِ تغافل میں
نہ جانے ہو گیا کیا، اس نگاہِ بے محابا کو

ہوئی بیگانگی غمازِ رازِ آشنائی کی
حیا سے ہے تری، شکوہ، ہماری جانِ رسوا کو

سکونِ دل سے یخ بستہ ہوئے آسودگاں غالب
ہے سوزِ آرزو ہی راس جانِ ناشکیبا کو

نہ تھی فرہاد میں برداشت غم کی، جان سے گزرا
خدایا پاس کرنا اس شہیدِ امتحانی کا

اگر خود کو کہوں ذرّہ تو وہ آزردہ ہوتا ہے
عجب اظہار ہے نا مہرباں کی مہربانی کا

فدا یہ جان و دل تجھ پہ، نہ پوچھ اب رسمِ آرائش
سلیقہ مجھ سے گل چیں کو بھلا کیا باغبانی کا

نشاطِ لذّتِ آزار کا خوگر ہوں مدت سے
کہاں باقی رہا وہ ذوقِ مرگِ ناگہانی کا

ہوا معبود سوزِ دل سے میں زردشت کا غالب
قلم کو مل گیا اعجاز جب آذرفشانی کا

خارِ رہ کھینچے ہے اس طرح سے دامن میرا
جیسے کہتا ہو کہ یہ تھا کبھی مسکن میرا

جس طرح شیشے میں بادہ رہے شیشے سے جدا
بن ترے یوں ہے مری جاں سے جدا تن میرا

سایہ و چشمہ بہ صحرا دمِ عیشے دارد
اگر اندیشۂ منزلِ نشود رہزنِ ما

دوست با کینۂ ما مہرِ نہاں می ورزد
خود ز رشکست اگر دل برد از دشمنِ ما

می پرد مور، مگر جان بسلامت ببرد
تاچہ برقست کہ شد نامزدِ خرمنِ ما

سخنِ ما ز لطافت نپذیرد تحریر
نشود گرد نمایاں ز رمِ توسنِ ما

ما نبودیم بدیں مرتبہ راضی غالب
شعر خود خواہشِ آں کرد کہ گردد فنِ ما

در گردِ غربت آئینہ دارِ خودیم ما
یعنی ز بیکسانِ دیارِ خودیم ما

دیگر ز سازِ بیخودیِ ما صدا مجوے
آوازے از گسستنِ تارِ خودیم ما

از بسکہ خاطرِ ہوسِ گل عزیز بود
خوں گشتہ ایم و باغ و بہارِ خودیم ما

ماجملہ وقفِ خویش و دلِ ما زما پُرست
گوئی ہجومِ حسرتِ کارِ خودیم ما

از جوشِ قطرہ ہمچو سرشک آب گشتہ ایم
اما ہماں بہ جیب وکنارِ خودیم ما

مشتِ غبارِ ماست پراگندہ سو بہ سو
یا رب بدہر درچہ شمارِ خودیم ما

باچوں توئی معاملہ برخویش منّت است
از شکوۂ تو شکرگزارِ خودیم ما

روے سیاہِ خویش زخود ہم نہفتہ ایم
شمعِ خموشِ کلبۂ تارِ خودیم ما

درکارِ ماست نالہ و ما در ہواے او
پروانۂ چراغِ مزارِ خودیم ما

خاکِ وجودِ ماست بہ خونِ جگر خمیر
رنگینیِ قماشِ غبارِ خودیم ما

ہر کس خبر ز حوصلۂ خویش می دہد
بدمستیِ حریف و خمارِ خودیم ما

دشت میں سایہ وسرچشمہ سے پاؤں آرام
گر نہ اندیشۂ منزل بنے رہزن میرا

اس کی بے مہری کے پردے میں ہے چاہت کیسی
رشک سے جیت لیا دوست نے دشمن میرا

پر لگا چیونٹی بھی جان بچانے کو اُڑی
کونسی برق ہے جو پھونکے گی خرمن میرا

سخنِ نغز کو کیوں بستۂ تحریر کروں
گردِ رفتار سے بے پروا ہے توسن میرا

میں بھلا کب تھا سخن گوئی پہ مائل غالب
شعر نے کی یہ تمنا کہ بنے فن میرا

غربت میں اپنے آئینہ دار آپ ہم ہوئے
اک عکسِ بیکسانِ دیار آپ ہم ہوئے

اس سازِ بیخودی میں نہیں اب کوئی صدا
اک نوحۂ شکستنِ تار آپ ہم ہوئے

کچھ اس قدر ہمیں ہوسِ گل عزیز تھی
خود ہو کے خون اپنی بہار آپ ہم ہوئے

گم ہیں خود اپنے آپ میں دل وقفِ خویش ہے
گویا ہجومِ حسرتِ کار آپ ہم ہوئے

اے جوشِ قطرہ اشک بہانے سے کیا ملا
بس یہ کہ غرقِ جیب وکنار آپ ہم ہوئے

یارب جہاں میں اپنا نہیں ہے کوئی شمار
ہر سو بکھر کے مشتِ غبار آپ ہم ہوئے

احساں ہے اپنی ذات پہ تجھ سے معاملہ
شکوے میں اپنے شکرگزار آپ ہم ہوئے

اپنے رخِ سیاہ کو خود سے چھپا کے ہم
شمعِ خموشِ کلبۂ تار آپ ہم ہوئے

شیون ہمارے واسطے' ہم محوِ یار ہیں
پروانۂ چراغِ مزار آپ ہم ہوئے

خونِ جگر سے گوندھ کے خاکِ وجود کو
رنگینیِ لباسِ غبار آپ ہم ہوئے

ہر ایک اپنے ظرف کا آئینہ دار ہے
مستیِ عدو کی' اپنا خمار آپ ہم ہوئے

تارِ نگاہِ پیروِ ما سلکِ گوہر است　　رفتارِ پاے آبلہ دارِ خودیم ما

غالب چو شخص و عکس در آئینۂ خیال
با خویشتن یکے و دوچارِ خودیم ما

بہ شغلِ انتظارِ مہوشاں در خلوتِ شبہا　　سرِ تارِ نظر شد رشتۂ تسبیح کوکبہا
خوشارندی و جوشِ زندہ رود و شربِ عذبش　　بہ لب خشکی چہ میری در سرابستانِ مذہبہا

مبادا ہمچو تارِ سبحہ ازہم بگسلد غالب
نفس با ایں ضعیفی برنتابد شورِ یاربہا

پس از عمرے کہ فرسودم بہ مشقِ پارسائی ہا　　گدا گفت و بمن تن در نداد از خودنمائی ہا
فغاں زاں بلہوس برگش، محبت پیشہ گش، کزمن　　رُباید حرف و آموزد بہ دشمن آشنائی ہا
بتِ مشکل پسند از ابتذالِ شیوہ می رنجد　　بگوئیدش کہ از عمرست آخر بے وفائی ہا
نیرزم التفاتِ دُزد و رہزن، بے نیازی بیں　　متاعم را بغارت دادہ اند از ناروائی ہا
کدوے چوں زرے یابم چناں برخویشتن بالم　　کہ پندارم سرآمد روزگارِ بے نوائی ہا
چہ خوش باشد دو شاہد را بہ بحثِ ناز پیچیدن　　نگہ در نکتہ زائی ہا، نفس در سرمہ سائی ہا
سخن کوتہ، مراہم دل بہ تقویٰ مائلست، امّا　　زننگِ زاہد افتادم بہ کافر ماجرائی ہا

زنجم گر بصورت از گدایاں بودہ ام غالب
بہ دارالملکِ معنی می کنم فرمانروائی ہا

ہے رہروں کی آنکھ میں موتی کی اک لڑی رفتار پائے آبلہ دار آپ ہم ہوئے

غالب میانِ آئینہ مانندِ شخص و عکس
یکتائی میں بھی خود سے دوچار آپ ہم ہوئے

بہ شغلِ انتظارِ یارِ یوں تارے گنے شب میں ہوا تارِ نظر گم رشتۂ تسبیحِ کوکب میں
کنارِ آب جب رندی کے سب ساماں میسر ہوں مرے کیوں تشنہ لب کوئی سرابستانِ مذہب میں

یہ فکرِ ناتوانی مانعِ اذکار ہے غالب
نہ ٹوٹے رشتۂ تسبیحِ ہستی وردِ یارب میں

اٹھایا ہم نے اک مدت جو صدمہ پارسائی کا گرے نظروں سے اس کی، جو ردیکھا خودنمائی کا
قیامت ہے، سخن سے میرے، چن کے دلربا نکتے سبق دشمن کو دیتا ہے، وہ حرفِ آشنائی کا
طریقِ عشق سے مشکل پسندی یار کی نالاں انوکھا ہے بھلا کب طرز اس کی بے وفائی کا
اگر ہو التفاتِ دُزد و رہزن سے بھی محرومی نہ شکوہ کیجیے اپنی متاع کی ناروائی کا
شرابِ ناب سے کاسہ کوئی بھردے تو یہ سمجھوں کہ جیسے اب نہ آئے گا زمانہ بے نوائی کا
ٹھنی ناز و ادا کی چشم ولب میں، دیکھیے منظر نگہ کی نکتہ زائی کا، نفس کی سرمہ سائی کا
سخن کوتہ، مرا دل مائلِ تقویٰ تو ہے لیکن میں ننگِ زہد سے ہوں صید کافر ماجرائی کا

گداؤں کی سی ہیئت کا مجھے کیا رنج ہو غالب
ہے شہرہ ملکِ معنیٰ میں مری فرمانروائی کا

کاشانہ گشت ویراں ویرانہ دلکشا تر — دیوار و در نسازد زندانیانِ غم را

من آن نیم کہ دگر می تواں فریفت مرا — فریبمش کہ مگر می تواں فریفت مرا
ز ذکرِ مُل بہ گماں می تواں فگند مرا — ز شاخِ گل بہ ثمر می تواں فریفت مرا
ز دردِ دل کہ بہ افسانہ درمیاں آید — بہ نیم جنبشِ سر می تواں فریفت مرا
من وفریفتگی، ہرگز آں محال اندیش — چرا فریفت اگر می تواں فریفت مرا
ز باز نامدنِ نامہ بر خوشم کہ ہنوز — بہ آرزوئے خبر می تواں فریفت
شبِ فراق ندارد سحر، ولے یک چند — بہ گفتگوئے سحر، می تواں فریفت مرا
نشانِ دوست ندانم جز اینکہ پردہ دراست — ز در بہ روزنِ در می تواں فریفت مرا
گرسنہ چشمِ اثر نیستم کہ در رہِ دید — بہ کیمیائے نظر می تواں فریفت مرا

سرشتِ من بود ایں، ورنہ آن نیم غالب
کہ از وفا بہ اثر می تواں فریفت مرا

زمن گرت نہ بود باور انتظار بیا — بہانہ جوئے مباش و ستیزہ کار بیا
بہ یک دو شیوہ ستم دل نمی شود خرسند — بہ مرگِ من کہ بہ سامانِ روزگار بیا
بہانہ جوست در الزامِ مدعی شوقت — یکے برغمِ دلِ نامیدوار بیا
ہلاکِ شیوۂ تمکیں مخواہ مستاں را — عناں گسستہ تر از بادِ نوبہار بیا
ز ما گسستی و با دیگراں گرو بستی — بیا کہ عہدِ وفا نیست استوار بیا
وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد — ہزار بار برو، صد ہزار بار بیا

ویران کر کے گھر کو ویرانہ راس آیا
دیوار و در سے مطلب زندانیانِ غم کو؟

اس اشتیاق میں کھاتا ہوں جان کر دھوکا
یونہی وہ دیتا رہے مجھ کو عمر بھر دھوکا

مدہوش کرتے ہیں جو صرف ذکرِ مے سے مجھے
ثمر کا دیتے ہیں وہ گل کی شاخ پر دھوکا

مرے فسانے میں ذکرِ غم و الم سن کے
وہ اس کی جنبشِ سر بھی ہے سر بہ سر دھوکا

مرا فریفتہ ہونا تو خیر مشکل ہے
فریب کھاؤں مجھے دے سکے اگر دھوکا

نہ آیا لوٹ کے قاصد تو دل کو ڈھارس ہے
کہ آرزوئے خبر بھی ہے خوش اثر دھوکا

شبِ فراق کی دیکھی ہے کب کسی نے سحر
وہ گفتگوئے سحر ہی سے دے مگر دھوکا

وہ بے نشاں ہے مگر پردہ در، بعید نہیں
کہ در کا روزنِ در ہی سے دے اگر دھوکا

نگاہِ لطف کی اُمید ہے بھلا کس کو
وہ کیمیائے نظر سے تو دے مگر دھوکا

وفا سرشت ہوں، نادان میں نہیں غالب
کہ کھاؤں راہِ محبت میں اس قدر دھوکا

تجھے ہے وہم نہیں مجھ کو انتظار آ جا
بہانہ چھوڑ مری جاں ستیزہ کار آ جا

جفا میں بخل نہ کر، میرے دل کی وسعت دیکھ
ستم کی فوج لیے مثلِ روزگار آ جا

نہ آنے دے گا تجھے غیر، ہے یہ اندیشہ
خلافِ وہمِ دلِ نا امیدوار آ جا

ہلاک شیوۂ تمکیں سے کر نہ مستوں کو
حجاب چھوڑ کے اے بادِ نوبہار آ جا

جو تو نے غیر سے باندھا اسے بھی توڑ صنم
ہوا ہے عہدِ وفا کب سے استوار آ جا

وداع و وصل ہیں دونوں کی لذتیں اپنی
ہزار بار جُدا ہو کے، لاکھ بار آ جا

فریب خوردهٔ نازم چہا نمی خواہم	یکے بہ پرسشِ جانِ امیدوار بیا
ز خوے تست نہادِ شکیب نازک تر	بیا کہ دست و دلم می رود ز کار بیا
رواجِ صومعہ ہستیست' زینہار مرو	متاعِ میکدہ مستیست' ہوشیار بیا

حصارِ عافیتے گر ہوس کنی غالب
چوما بہ حلقۂ رندانِ خاکسار بیا

چوں بہ قاصد بسپرم پیغام را	رشک نگزارد کہ گویم نام را
آں میم باید کہ چوں ریزم بہ جام	زورِ مے در گردش آرد جام را
بے گناہم' پیر دیر ازمن مرنج	من بہ مستی بستہ ام احرام را
از دلِ تست آنچہ بر من می رود	می شناسم سختیِ ایام را
زحمتِ عام است دایم خاص را	عشرتِ خاص است ہر دم عام را

دلستاں در خشم' غالب بوسہ جو
شوق نشناسد ہمی ہنگام را

ہمچنیں بیگانہ زی با من دل وجانِ کسے	بدگماں گردم اگر دانم کہ می دانی مرا
برنیابم با روانی ہائے طبعِ خویشتن	موجِ آبِ گوہرِ من کردہ طوفانی مرا
تشنہ لب بر ساحلِ دریا ز غیرت جاں دہم	گر بہ موج افتد گمانِ چینِ پیشانی مرا
باسراج الدین احمد چارہ جز تسلیم نیست	ورنہ غالب نیست آہنگِ غزلخوانی مرا

مجھے جو ناز ہے، اس کا بھی کچھ بھرم رکھ لے | برائے پرسشِ جانِ امیدوار آجا
نہادِ صبر تری طبع سے بھی نازک ہے | ہیں تیرے ہجر کے آزار بے شمار آجا
رواجِ صومعہ ہستی ہے، اس طرف مت جا | متاعِ میکدہ مستی ہے، ہوشیار آجا

حصارِ امن کی خواہش ہے گر تجھے غالب
میانِ حلقۂ رندانِ خاکسار آجا

ہے کٹھن دینا بہت پیغام کا | رشک سے مشکل ہے لینا نام کا
مے کی تیزی کے سبب ہے دیدنی | خود بخود گردش میں آنا جام کا
یہ خطا تھی بے ارادہ، پیرِ دیر! | بیخودی میں باندھنا احرام کا
تیرے ہاتھوں ہی ہوا جو کچھ ہوا | کیا گلہ پھر سختیِ ایام کا
عام زحمت بندگانِ خاص کو | خاص منصب مردمانِ عام کا

دلربا ناراض و غالب بوسہ جو
شوق کو احساس کیا ہنگام کا

مجھ سے رہ بیگانہ، جانِ غیر، سہہ سکتا نہیں | ہو اگر حاصل یقینِ ربطِ پنہانی مجھے
اپنی طبع کی روانی سے نہ سر بر ہو سکا | کر دیا ہے جوہرِ ذاتی نے طوفانی مجھے
تشنہ لب ہی جان دے دوں ساحلِ دریا پہ میں | موج پر ہو گر گمانِ چینِ پیشانی مجھے
ہوں سراج الدین کے اصرار سے مجبور میں | ورنہ غالب، اب کہاں ذوقِ غزلخوانی مجھے

از وہم قطرگیست کہ در خود گمیم ما | اما چو وارسیم ہماں قلزمیم ما
دستت زما بشوے مسیحا کہ زیرِ خاک | آب از تفِ نہیبِ صدائے تمیم ما
پنہاں بہ عالمیم ز بس عین عالمیم | چوں قطرہ در روانیِ دریا گمیم ما
مارا مدد ز فیضِ ظہوری ست در سخن | چوں جامِ بادہ راتبہ خوارِ خمیم ما

غالب ز ہند نیست نوائے کہ می کشم
گوئی ز اصفہان و ہرات و قمیم ما

نشستن بر سرِ راہ تحیر عالمے دارد | کہ ہر کس می رود از خویش می گردد دوچار ما
حریفاں شورشِ عشق ترا بے پردہ دیدندے | بداماں گر نہ گشتے موسمِ گل پردہ دارِ ما

نہالِ شمع را بالیدن از کاہیدن است اینجا
گدازِ جوہرِ ہستی ست غالب آبیارِ ما

باشد کہ بدین سایہ و سر چشمہ گرایند | یاران عزیزاند گروہی ز پسِ ما

❁ ❁

شکستِ رنگ تا رسوا نسازد بیقراراں را | جگر خونست از بیمِ نگاہت رازداراں را
بود پیوستہ پشتِ صبر برکوہ ازگراں جانی | چہ افسوں خواندۂ در گوشِ دل امیدواراں را
کفِ خاکیم از ما برنخیزد جز غبار آنجا | فزوں از صرصرے نبود قیامت خاکساراں را
نہ گشت از سجدۂ حق جبہۂ زہاد نورانی | چناں کافروخت تابِ بادہ روے بادہ خواراں را
دریغ آگاہیٔ کافسردگی گردد سرو برگش | زمستی بہرہ جز غفلت نہ باشد ہوشیاراں را

عرفانِ ذات ہوتا تو قلزم سے کم نہ تھے
قطرہ سمجھ کے آپ کو اپنے میں گُم ہیں ہم

ہم کشتگانِ یار سے عیسیٰ ہوئے خجل
نا آشنائے مژدۂ آوازِ قُم ہیں ہم

عینِ جہان ہو کے جہاں سے رہے نہاں
قطرے کی طرح موجۂ دریا میں گم ہیں ہم

ہم ہیں سخن میں شعرِ ظہوری سے فیض یاب
اک جامِ مے کی طرح سے ممنونِ خُم ہیں ہم

غالب نوائے ہند کا مت کیجیو گماں
آوازِ دلپذیرِ صفاہاں و قُم ہیں ہم

گزرگاہِ تحیر میں عجب جلوے نظر آئے
کہ جو خود سے ہوا رخصت، اسے پایا دو چار اپنا

حریفوں پر عیاں ہو جاتی تیرے عشق کی شورش
نہ ہوتا موسمِ گل گر جنوں میں پردہ دار اپنا

نہالِ شمع کی بالیدگی کا راز ہے کاہش
گدازِ جوہرِ ہستی ہے غالب آبیار اپنا

اس سایہ و سرچشمہ میں شاید وہ ٹھہر جائیں
کچھ دوست تھکے ماندے جو آئیں مرے پیچھے

۞ ۞

نہ زردی رخ کی کر دے راز افشا بیقراروں کا
جگر خوں ہو گیا بیمِ نگہ سے راز داروں کا

نہ جانے گوشِ دل میں یار نے پھونکا ہے کیا افسوں
ذرا دیکھے تو کوئی حوصلہ امیدواروں کا

ہماری ایک مٹھی خاک کو خوفِ قیامت کیا
غبار ہو گا فضا میں منتشر ہم خاکساروں کا

نہیں کیوں سجدۂ حق سے جبیں زہاد کی تاباں
ہے تابِ مے سے روشن جیسے چہرہ بادہ خواروں کا

دریغ اس آگہی سے جس کا ہوا فسردگی حاصل
ہے سرمستی سے بس غفلت ہی حصہ ہوشیاروں کا

ز غیرت میگدازد در خجالت گاہ تاثیرم — زبوں دیدم بہ دستِ شیشہ سازاں کوہساراں را

برنجم غالب از ذوقِ سخن، خوش بودے ار بودے
مرا لختِ شکیب و پارۂ انصاف یاراں را

درازیِ شب ہجراں زحد گزشت، بیا — فدائے روئے تو عمرِ ہزار سالۂ ما

اے روئے تو بہ جلوہ در آورد رنگ را — نقشِ تو تازہ کرد بساطِ فرنگ را

دانم کہ در ہوائے سرِ دامن کسی ست — در خونِ من ز ناز فروبردہ چنگ را

شوخے کہ خود زنامِ وفا ننگ داشتے — برباد می دہد بہ وفا نام و ننگ را

غالب ز عاشقی بہ ندیمی رسیدہ ام
نازم شگرفِ کاریِ بختِ دو رنگ را

سوزد ز بسکہ تابِ جمالش نقاب را — دانم کہ درمیاں نہ پسندد حجاب را

پیراہن از کتان و دمادم ز سادگی — نفرین کند بہ پردہ دریِ ماہتاب را

تا خود شبے بہ ہمدمیِ ما بسر برد — در چشمِ بختِ غیر رہا کرد خواب را

نا رفتہ دم ز وعدۂ باز آمدن زند — تا در وصال یاد دہد اضطراب را

در دل خزد بہ لابہ و از جاں بدر کشد — دیرینہ شکوۂ ستمِ بے حساب را

جرات نگر کہ ہرزہ بہ پیش آمدِ سوال — گیرم بہ بوسہ زاں لبِ نازک جواب را

نازم فروغِ بادہ زعکسِ جمالِ دوست — گوئی فشردہ اند بہ جام آفتاب را

آبش دہم بہ بادہ و او ہر دم از تمیز — نوشد مے و ز جام فرو ریزد آب را

گداز ہوتا ہوں غیرت سے نظر آتا ہے جب مجھ کو
زبوں ہونا بدستِ شیشہ بازاں کو ہساروں کا

کمالِ فن سے شاکی ہوں، غنیمت جانتا غالب
اگر ملتا مجھے کچھ صبر، کچھ انصاف یاروں کا

۞ ۞

بہت طویل شبِ ہجر ہو گئی آجا
نثار تجھ پہ یہ عمرِ ہزار سالہ مری

۞ ۞

جلوے سے رُوئے یار کے عالم میں رنگ ہے
نقشِ ادا سے تازہ بساطِ فرنگ ہے

اعجازِ دیکھ، مجھ سے جو دامن کشاں رہا
دامن کسی کا تھامے ہوئے اُس کے سنگ* ہے

ذکرِ وفا بھی ننگ تھا جس شوخ کے لیے
اب وہ وفا کے دعوے میں بے نام و ننگ ہے

لو غالب عشق چھوڑ، ہوئے یار کے ندیم
یہ کیا ستم ظریفیِ بختِ دو رنگ ہے

تابِ جمال سے جو جلا دے نقاب کو
برداشت کیا کرے گا وہ ظالم حجاب کو

ہونا تھا تار تار ہی پیراہنِ کتاں
پردہ دری کا طعنہ نہ دے ماہتاب کو

اک شب گزارنے کو مرے ساتھ یار نے
چشمِ عدو کا سرمہ بنایا ہے خواب کو

کرتا ہے وعدہ آنے کا جائے بغیر وہ
تا وصل میں بھی یاد رکھوں اضطراب کو

دل میں سما کے ناز سے کرتا ہے دور وہ
دیرینہ شکوۂ ستمِ بے حساب کو

ہم بے کیے سوال ہی ہونٹوں سے یار کے
اک بوسہ لے کے کرتے ہیں حاصل جواب کو

عکسِ جمالِ یار کا اعجاز دیکھنا
پیمانے میں نچوڑ دیا آفتاب کو

دوں ساتھ مے کے پانی تو کرتا ہے یہ کمال
خالص شراب پیتا ہے چھلکا کے آب کو

* سنگ ۔ ساتھ

آسودہ باد خاطرِ غالب کہ خوے اوست
آمیختن بہ بادۂ صافی گلاب را

نویدِ التفاتِ شوق دادم از بلا جاں را
کمندِ جذبۂ طوفاں شمردم موجِ طوفاں را

تکلف برطرف لب تشنۂ بوس و کنارستم
زراہم باز چیں دامِ نوازش ہائے پنہاں را

بہ مستی گر بہ جنت بگزری زنہار نفریبی
سرابے در رہستے تشنۂ دیدارِ جاناں را

چہ دودِ دل چہ موجِ رنگ در ہر پردہ از ہستی
خیالم شانہ باشد طرۂ خوابِ پریشاں را

زمستی محوِ پاکوبی بود ہر گردباد ایں جا
رواجِ خانقاہست از کفِ خاکم بیاباں را

۞

بہ خلوت مژدۂ نزدیکیِ یارست پہلو را
فریبِ امتحانِ پاکبازی دادہ ام او را

جہاں از بادہ و شاہد چناں ماند کہ پنداری
بہ دنیا از پسِ آدم فرستادند مینو را

نشاں دوراست غالب درسخن ایں شیوہ بس نبود
بدیں زوریں کماں می آزمایم دست و بازو را

بادۂ مشکبوے ما بید و کنارِ کشتِ ما
کوثر و سلسبیلِ ما طوبیِ ما بہشتِ ما

بسکہ غمِ تو بودہ است تعبیہ در سرشتِ ما
نسخۂ فتنہ می برد چرخ ز سرنوشتِ ما

حسرتِ وصل از چہ روچون بہ خیال سرخوشیم
ابر اگر بایستد بر لبِ جوست کشتِ ما

نورِ خرد در آگہی خواہشِ تن پدید کرد
صرفِ زقومِ دوزخ است نامیہ در بہشتِ ما

ہاں کر دیا ہے شیوۂ غالب نے کچھ سوا
آمیزشِ گلاب سے لطفِ شراب کو

نویدِ التفاتِ شوق میں دیتا رہا جاں کو
کمندِ جذبۂ طوفاں سمجھ کر موجِ طوفاں کو

تکلف برطرف، ہوں تشنۂ بوس و کنار آخر
بھلا میں کیا کروں گا ان نوازشہائے پنہاں کو

یہ رکھنا یاد اگر جنت سے مستی میں کبھی گزرو
سرابِ راہ ہے وہ تشنۂ دیدارِ جاناں کو

بہم آمیختہ ہستی میں موجِ رنگ و دردِ غم
خیال اک شانہ ہے اضداد کی زلفِ پریشاں کو

ہماری خاک نے رقصاں بگولوں کو کیا ایسے
رواجِ خانقاہی دے دیا دشت و بیاباں کو

❁

مبارک مژدۂ نزدیکیِ دلدار پہلو کو
فریبِ پاکبازی سے کیا ہے رام آہو کو

یہ دنیا بادہ وشاہد سے یوں معمور ہے جیسے
کیا ہے عام آدم کے لئے الطافِ مینو کو

نشانہ دور ہے غالبؔ، سخن سنجی سے کیا حاصل
کمانِ شعر کیوں آزماؤ دست و بازو کو

رشکِ جناں بنا دیا ہم نے کنارِ کشت کو
بادہ ہے مثلِ سلسبیل، کیجیے کیا بہشت کو

رنج والم سے گوندھ کر تو نے مری سرشت کو
نسخۂ فتنہ کر دیا کیوں مری سرنوشت کو

خوش ہوں ترے خیال میں، حسرتِ وصل کس لیے
ابر کی احتیاج کیا ہو لب جو پہ کشت کو

نورِ خرد نے آگہی دے کے جگائیں خواہشیں
فصلِ زقوم دے گئی نامیہ اس بہشت کو

این ہمہ از عتابِ تو ایمنی عدو چراست
اے بہ بدی و ناخوشی خوی تو سرنوشتِ ما

بے خطر از خودی برآ "لب بہ" انا الصنم" کشا
شیوۂ گیرودار نیست در کنش کنشتِ ما

بادہ اگر بود حرام بذلہ خلافِ شرع نیست
دل نہ نہی بہ خوبِ ما، طعنہ مزن بہ زشتِ ما

گفت بہ حکمِ حسرتی غالبِ خستہ این غزل
شاد بہ ہیچ می شود طبعِ وفا سرشتِ ما

آید بہ چشم روشنیِ ذرہ آفتاب
بر ہر زمیں کہ طرح کنی نقشِ پائے را

مشتاقِ عرضِ جلوہ خویش است حسنِ دوست
از قرب مژدہ دہ نگۂ نارسائے را

واماندگی ست پے سپرِ وادیِ خیال
شوقِ تو جادہ کرد رگِ خوابِ پائے را

سر منزلِ رسائیِ اندیشۂ خودیم
در ما گم است جلوہ پے رہنمائے ما

حسنِ بتاں ز جلوۂ نازِ تو رنگ داشت
بے خود بہ بوئے بادہ کشیدیم لائے را

گر چشم اشک از وست و گر سینہ آہ از وست
با کیست داوریِ دلِ درد آزمائے را

غالب بریدہ از ہمہ خواہم کہ زیں سپس
کنجے گزینم و پرستم خدائے را

غمت در بوتۂ دانش گداز د مغزِ خاماں را
لبت تنگِ شکر سازد دہانِ تلخ کاماں را

قضا در کارہا اندازۂ ہر کس نگہ دارد
بہ قطعِ وادیِ غم می گمارد تیز گاماں را

ز ہستی پاک شو گر مردِ راہی کاندریں وادی
گرانی ہاست رختِ رہروِ آلودہ داماں را

اپنے عتاب و جور سے غیر کو تو نے دی اماں
رنج والم سے کر دیا پُر مری سرنوشت کو

آ کے ہماری بزم میں، شوق سے کہہ ''انا الصنم''
شیوۂ گیرودار سے واسطہ کیا کنشت کو

مانا کہ مے حرام ہے، بذلہ نہیں خلافِ شرع
خوبی اگر ہے ناپسند، کہئے برا نہ زشت کو

کہہ کے بہ حکمِ حسرتی* غالبِ خستہ یہ غزل
شاد کیا ہے ہم نے آج طبعِ وفا سرشت کو

اس کا ہر ایک ذرّہ بنے عکسِ آفتاب
پڑ جائے جس زمیں پہ کبھی تیرا نقشِ پا

مائل ہوا ہے جلوہ نمائی پہ حسنِ دوست
مژدہ ہو تجھ کو قرب کا اے چشمِ نارسا

واماندگی سفر ہے سوئے وادیِ خیال
شوقِ لقائے یار کا جادہ ہے خوابِ پا

اندیشہ وخیال کی منزل ہماری ذات
ہم خود ہی اپنا جادہ بنے، خود ہی رہنما

ہے عکس تیرے جلوے کا حسنِ پری رخاں
بادہ کشوں کو دُرد بھی مستی میں ہے روا

ہے اشکِ چشم بھی وہی، سینے کی آہ بھی
شکوہ کرے ہے کس کا دلِ درد آزما

غالب کنارہ کر لیا ہم نے ہر ایک سے
گوشے میں اپنا شغل ہے اب طاعتِ خدا

کندن کیا ہے غم نے ترے جنسِ خام کو
اور لعلِ لب نے شیریں دہن تلخ کام کو

ہر اک کو حوصلے کے مطابق دیا ہے کام
طے کرنا دشتِ غم کا ملا تیز گام کو

ہستی سے پاک ہو کے اٹھانا قدم یہاں
ہلکا ہی رخت چاہئے آلودہ دام کو

* نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ (فارسی میں حسرتی تخلص کرتے تھے)

دماغِ فتنہ مے نازد بسامانِ رسیدن ہا
طلوعِ نشہ گردِ راہ باشد خوش خراماں را

پئے رسوائی اربابِ تقویٰ جلوہ سرکن
کتان ہا ماہتابی سازؔ شاہم نیک ناماں را

خرابیم و رضایش در خرابی ہائے ما باشد
زچشمِ بدنگہ دارد خدا ما دوست کاماں را

بسا افتادہ سرمست و بسا افتادہ در طاعت
تو دانی تابہ لطف از خاک برداری کداماں را

جہاں را خاصے و عامے ست آن مغرور و این عاجز
بیا غالب ز خاصان بگزر و بگزار عاماں را

جز دفعِ غم ز بادہ نبودست کامِ ما
گوئی چراغِ روزِ سیاہ است جامِ ما

در خلوتش گزر نبود باد را مگر
صرصر بہ بخاکِ راہ رساند پیامِ ما

اے بادِ صبح! عطرے ازان پیرہن بیار
تسکین ز بوئے گل نپذیرد مشامِ ما

ہر بار دانہ بہرِ ہما افگنیم و مور
آید بدام و دانہ رباید ز دامِ ما

گفتی، چو حالِ دل شنود، مہربان شود
مشکل کہ پیشِ دوست توان برد نامِ ما

از ما بہ ما پیام و ہم از ما بہ ما سلام
رنجِ دلی مباد پیام و سلامِ ما

مقصودِ ما ز دہر ہر آئینہ نیستی ست
یارب کہ ہیچ دوست مبادا بہ کامِ ما

غالب بہ قولِ حضرتِ حافظ ز فیضِ عشق
''ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

شر کو بہت شراب کی مستی پہ ناز ہے — نشہ ہے گردِ راہ مگر خوش خرام کو

ہو گی کتانِ زہد کو تابِ قمر کہاں — رسوا کرا اپنے جلوے سے ہر نیک نام کو

ہے اس کی سب خرابی جو ایمائے یار سے — یارب کہیں نظر نہ لگے دوست کام کو

وارفتہ کوئی شوق میں طاعت میں گم کوئی — امیدِ انتخاب ہے ہر مستِ جام کو

مغرور ہیں خواص تو معذور ہیں عوام
غالب بچو خواص سے، چھوڑو عوام کو

جز دفعِ غم، شراب سے کیا مجھ کو کام ہے — گویا چراغِ روزِ سیہ میرا جام ہے

اس تک رسائی کس کی، بس آندھی کے ہاتھ سے — لکھوایا خاکِ راہ پہ اپنا پیام ہے

تسکین بوئے گل سے کہاں ہو گی بادِ صبح! — اس پیرہن کے عطر سے مہکا مشام ہے

ڈالوں ہما کے واسطے دانہ تو چیونٹی — لے جائے جیسے اس کے لیے میرا دام ہے

ممکن ہے سن کے حال وہ ہو جائے مہرباں — دشوار اس سے لینا مگر میرا نام ہے

ہے خود سے خود پیام، کبھی خود سے خود سلام — کیوں وجہِ رنج میرا پیام و سلام ہے

مقصود اپنا دہر سے جب نیستی ہو صرف — پھر دوستوں کے لطف سے کیا مجھ کو کام ہے

غالب بہ قولِ حافظِ شیریں مقال کے
"لکھا کتابِ دہر پہ اپنا دوام ہے"

خیز و بے راہ روے را سرِ راہے دریاب　　شورش افزا نگہ حوصلہ گاہے دریاب

عالم آئینۂ رازست چہ پیدا' چہ نہاں　　تابِ اندیشہ نداری' بہ نگاہے دریاب

گر بہ معنی نہ رسی' جلوۂ صورت چہ کم ست　　خمِ زلف وشکنِ طرفِ کلاہے دریاب

تو در آغوشی و دست و دلم از کار شدہ　　تشنہ بے دلو و رسن برسرِ چاہے دریاب

فرصت از کف مدہ و وقت غنیمت پندار　　نیست گر صبحِ بہارے شبِ ماہے دریاب

غالب و کشمکشِ بیم و امیدش ہیہات
یا بہ تیغی بکش و یا بہ نگاہے' دریاب

گر پس از جور بہ انصاف گراید' چہ عجب　　از حیا روے بما گر نہ نماید' چہ عجب

بودش از شکوہ خطر' ورنہ سرے داشت بمن　　بہ مزارم اگر از مہر بیاید' چہ عجب

رسمِ پیماں بہ میاں آمدہ خود را نازم　　گفتہ باشد کہ زبستن چہ کشاید' چہ عجب

شیوہ ہا دارد و من معتقدِ خوے ویم　　شوقم از رنجشِ او گر بفزاید' چہ عجب

چون گشد مے' کشدم رشک کہ در پردۂ جام　　از لبِ خویش اگر بوسہ رباید' چہ عجب

طرۂ درہم و پیراہنِ چاکش نگرید　　اگر از ناز بہ خود ہم نہ گراید' چہ عجب

ہرزہ میرم شُمرد وز پے تعلیمِ رقیب　　بہ وفا پیشگیم گر بستاید' چہ عجب

کار با مطربۂ زہرہ نہادے دارم　　گر لبم نالہ بہ ہنجار سراید' چہ عجب

آنکہ چون برق بیک جای نہ گیرد آرام　　گلہ اش در دل اگر دیر نپاید' چہ عجب

با چنین شرم کہ از ہستیِ خویشش باشد
غالب ار رخ بہ رہِ دوست نہ ساید' چہ عجب

کاش آوارہ کہیں ہم کو سرِ راہ ملے ‏ ‏ شورش افزا کوئی ہنگامہ گاہ گاہ ملے

ہے جہاں آئینۂ راز، عیاں ہو کہ نہاں ‏ ‏ تابِ اندیشہ نہیں ہے تو پھر نگاہ ملے

حسنِ صورت ہے بہت گرچہ ہو معنی مستور ‏ ‏ خمِ زلف و شکنِ طرفِ کجِ کلاہ ملے

تیرے آغوش میں بھی وصل سے محروم رہا ‏ ‏ تشنگی ہے مرا مقسوم سرِ چاہ ملے

ہے غنیمت جو کوئی لمحۂ فرصت مل جائے ‏ ‏ گر نہیں صبحِ بہاراں تو شبِ ماہ ملے

بیم و امید سے دے غالبِ خستہ کو نجات
ضربِ شمشیر ہو یا مژدۂ دل خواہ ملے

جور و جفا سے باز وہ آئے تو کیا عجب ‏ ‏ شرمندہ ہو کے منہ نہ دکھائے تو کیا عجب

شکوے کے ڈر سے آیا نہ الفت کے باوجود ‏ ‏ وہ اب مرے مزار پہ آئے تو کیا عجب

عہدِ وفا کی جب نہیں ایفائے عہد شرط ‏ ‏ وعدے سے وہ اُمید دلائے تو کیا عجب

اس کے ہزار ناز، ہر اک ان میں دلفریب ‏ ‏ رنجش گر اس کی شوق بڑھائے تو کیا عجب

ہے مے کشی پہ رشک کہ پردے میں جام کے ‏ ‏ وہ اپنے لب سے بوسہ چرائے تو کیا عجب

*آشفتہ اس کی زلف ہے اور پیرہن بھی چاک ‏ ‏ *ایسے میں خود سے گر وہ لجائے تو کیا عجب

تعریف کر کے غیر سے وہ میری موت کی ‏ ‏ آدابِ عشق اس کو سکھائے تو کیا عجب

ہو ربط جس کو مطربِ زہرہ نہاد سے ‏ ‏ نالہ بھی گر وہ لے میں سنائے تو کیا عجب

مانندِ برق جس کو ذرا بھی نہیں قرار ‏ ‏ شکوہ نہ اس کا دل میں سمائے تو کیا عجب

غالب ہے اپنی ہستی سے شرمندہ اس قدر
پلکوں سے خاکِ رہ نہ اٹھائے تو کیا عجب

نوٹ: اس مصرے کا ترجمہ یوں ہونا چاہیے ۔ مائل بہ ناز خود کو نہ پائے تو کیا عجب ۔ لیکن زلف کے الجھنے اور پیرہن کے چاک ہونے کی رعایت سے یہ جسارت کی ہے کہ اس منظر سے محبوب کو خود اپنے آپ سے شرم آ رہی ہے

جنون محمل بہ صحرائے تحیر راندہ است امشب
نگہ در چشم و آہم در جگر واماندہ است امشب

بہ ذوقِ وعدہ سامانِ نشاطے کردہ پندارم
زفرشِ گل بہ روئے آتشم بنشاندہ است امشب

بقدرِ شامِ ہجرانش درازی باد عمرش را
فلک نیز از کواکب سبحہ ہا گرداندہ است امشب

بہ خوابم میرسد بندِ قبا واکردہ از مستی
ندانم شوقِ من بروے چہ افسون خواندہ است امشب

خوش است افسانۂ دردِ جدائی مختصر غالب
بہ محشر میتواں گفت آنچہ در دل ماندہ است امشب

از اُندہِ نایافت قلق می کنم امشب
گر پردۂ ہستی ست کہ شق می کنم امشب

ہاں آئینہ بگزار کہ عکسم نفریبد
نظارۂ یکتائیِ حق می کنم امشب

آتش بہ نہادم شدہ آب از تفِ مغزم
از تب نبود اینکہ عرق می کنم امشب

جان بر لبم اندازۂ دریا کشیم نیست
از مے طلبِ سدِ رمق می کنم امشب

از ہر بنِ مو چشمۂ خوں باز کشادم
آرایشِ بستر ز شفق می کنم امشب

مے می چکد از لعلِ لبش در طلبِ نُقل
مشتے ز کواکب بہ طبق می کنم امشب

نازم سخنش را و نیابم دھنش را
خوش تفرقہ در باطل وحق می کنم امشب

عمریست کہ قانونِ طرب رفتہ ز یادم
آموختہ را باز سبق می کنم امشب

غالب نبود شیوۂ من قافیہ بندی
ظلمے است کہ بر کلک و ورق می کنم امشب

جنوں نے یوں تحیّر میں کیا دشت آشنا امشب
نظر آنکھوں میں سہمی، دل میں گم نالہ ہوا امشب

تری خاطر سجا کے فرشِ گل سے اپنے آنگن کو
میں بیتابی سے پہلو آگ پہ بدلا کیا امشب

بقدرِ شامِ ہجراں ہو درازی عمر میں اس کی
رہی تسبیحِ انجم پر فلک کی یہ دعا امشب

وہ مستِ ناز آیا خواب میں بندِ قبا کھولے
نہ جانے دل نے میرے اس پہ کیا جادو کیا امشب

کرو افسانۂ دردِ جدائی مختصر غالب
سنانا حشر میں فرصت سے جو دل میں رہا امشب

محرومی کا مجھ کو وہ قلق آج کی شب ہے
پردہ ہی مری ہستی کا شق آج کی شب ہے

آئینہ ہٹا عکس سے کیا بات بنے گی
نظارۂ یکتائی حق آج کی شب ہے

کیا گرمیٔ اندیشہ سے پگھلا ہے تنِ زار
کیوں جسم پہ لڑیوں میں عرق آج کی شب ہے

شاید کہ بلانوشی سے رہ جائے کوئی دم
اس تن میں جو اک جاں کی رمق آج کی شب ہے

ہے ہر بُنِ مو سے جو رواں خون کا چشمہ
آرائشِ بستر پہ شفق آج کی شب ہے

ٹپکے ہے ترے لب سے جو ےُنقل کی خاطر
تاروں سے بھرا میرا طبق آج کی شب ہے

پا جاؤں سخن کو تو نہ پاؤں میں دہن کو
کیا تفرقۂ باطل وحق آج کی شب ہے

قانونِ طرب بھولے مجھے عمر ہوئی ہے
آموختہ کا پھر سے سبق آج کی شب ہے

کیا قافیہ پیمائی سے غالب کو سروکار
اک قہر سرِ کلک و ورق آج کی شب ہے

سحر دمیده و گل در دمیدن است، مخسپ — جہان جہان گلِ نظارہ چیدن است، مخسپ
ز خویش حسنِ طلب بین و در صبوحی کوش — مئے شبانہ زلب در چکیدن است، مخسپ
بہ ذکرِ مرگ شبے زندہ داشتن ذوقے ست
گرت فسانۂ غالب شنیدن است، مخسپ

حق جلوہ گر ز طرزِ بیانِ محمدؐ ست — آرے کلامِ حق بزبانِ محمدؐ ست
آئینہ دارِ پرتوِ مہرست ماہتاب — شانِ حق آشکار ز شانِ محمدؐ ست
تیرِ قضا ہر آئینہ در ترکشِ حق ست — امّا کشادِ آں ز کمانِ محمدؐ ست
دانی، اگر بہ معنیِ لولاک وارسی — خود ہر چہ از حقست ازانِ محمدؐ ست
ہر کس قسم بدانچہ عزیزست می خورد — سوگندِ کردگار بجانِ محمدؐ ست
واعظ، حدیثِ سایۂ طوبیٰ فرو گزار — کاینجا سخن ز سروِ روانِ محمدؐ ست
بنگر دو نیمہ گشتنِ ماہِ تمام را — کاں نیمہ جنبشے ز بنانِ محمدؐ ست
در خود ز نقشِ مہرِ نبوت سخن رود — آں نیز نامور ز نشانِ محمدؐ ست
غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ ست

گلشن بہ فضائے چمنِ سینۂ ما نیست — ہر دل کہ نہ زخمے خورد از تیغِ تو، وا نیست
عمریست کہ می میرم و مردن نتوانم — در کشورِ بیدادِ تو فرمانِ قضا نیست
ہفت اختر و نُہ چرخ خود آخر بچہ کار اند — بر قتلِ من این عربدہ با یار روا نیست

طلوعِ صبح سے سرشار ہے چمن، مت سو گل و سمن پہ قیامت کی ہے پھبن، مت سو
خمارِ جسم کا حسنِ طلب، صبوحی لے مئے شبانہ سے اعضا پہ ہے تھکن، مت سو
ہے جان لیوا بہت اس کی داستانِ الم
عجب فسانۂ غالب ہے جانِ من، مت سو

جلوہ ہے حق کا طرزِ بیانِ محمدؐ ہاں ہے کلامِ حق بزبانِ محمدؐ
آئینہ دار مہر کے جلوے کا ماہتاب شانِ خدا کا عکس ہے شانِ محمدؐ
ترکش میں حق کے تیرِ قضا ہے نہاں مگر پرواز اس کی ہے بکمانِ محمدؐ
اس کے سوا ہیں معنیٔ لولاک اور کیا آیاتِ حق ہیں مظہرِ آنِ محمدؐ
کھاتے ہیں سب اسی کی قسم جو عزیز ہو سوگند ہے خدا کی بجانِ محمدؐ
واعظ بیانِ سایۂ طوبیٰ نہ کر جہاں ہو گفتگوئے سروِ روانِ محمدؐ
دو ٹکڑے ہونا چاند کا کیا چیز ہے مگر اک جنبشِ خفیف بنانِ محمدؐ
ہے افتخارِ مُہرِ نبوت یہی کہ وہ معروف ہے بطورِ نشانِ محمدؐ
غالب ثنائے خواجہؐ کو یزداں پہ چھوڑ دے
ہے ذاتِ حق ہی مرتبہ دانِ محمدؐ

گلزارِ جاں کی طرح چمن کی فضا نہیں وہ دل کہ زخمِ ناز نہ کھائے کھلا نہیں
مرمر کے جی رہا ہوں پر مرنا نہیں نصیب شہرِ ستم میں کیا ترے حکمِ قضا نہیں
ہیں جب فساد وفتنہ پہ ہفت آسماں لگے دلبر سے میرے قتل کی پرسش روا نہیں

عمرم سپری گشت و ہمان برسرِ جورست | گویند بتان را کہ وفا نیست، چرا نیست
جنّت نکند چارۂ افسردگیِ دل | تعمیر بہ اندازۂ ویرانیِ ما نیست
فریاد ز زخمے کہ نمک سود نباشد | ہنگامہ بیفزاے کہ پرسش بسزا نیست
گر مہر و گر کین، ہمہ از دوست قبول است | اندیشہ جز آئینۂ تصویر نما نیست
مینائے مے از تندیِ ایں مے بگدازد | پیغامِ غمت درخورِ تحویلِ صبا نیست
ہر مرحلہ از دہر سرابست لبے را | کز نقشِ کفِ پائے کسے بوسہ ربا نیست

دریوزۂ راحت نتواں کرد ز مرہم
غالب ہمہ تن خستۂ یارست گدا نیست

در گردِ نالہ وادیِ دل رزمگاہِ کیست | خونے کہ می دود بہ شرائین سپاہِ کیست
حسنِ تو در حجاب ز شرمِ گناہِ کیست | جا بر کرشمہ تنگ ز جوشِ نگاہِ کیست
مست است و رخ کشادہ بہ گلزار می رود | خوں در دل بہار ز تاثیرِ آہِ کیست
ما با تو آشنا و تو بیگانۂ ز ما | آخر تو و خدا کہ جہانے گواہِ کیست
مو برنتابد ایں ہمہ پیچ و خم و شکن | زلفِ تو روزنامۂ بختِ سیاہِ کیست
زیںساں کہ سربسر گل و ریحان و سنبل است | طرفِ چمن نمونۂ طرفِ کلاہِ کیست
رشک آیدم بہ روشنیِ دیدہ ہائے خلق | دانستہ ام کہ از اثرِ گردِ راہِ کیست
با من بخوابِ ناز و من از رشک بدگماں | تا عرصۂ خیالِ عدو جلوہ گاہِ کیست
بے خود بہ وقتِ ذبح تپیدن گناہِ من | دانستہ دشنہ تیز نکردن گناہِ کیست

اک عمر سے ہے جور و جفا پر اُنہیں ثبات
کس طرح یہ کہوں کہ بتوں میں وفا نہیں

جنت سے کیا ہو خاطرِ افسردہ کو فراغ
بیدادِ زندگی کے مطابق جزا نہیں

جو مضطرب نہ دل کو کرے وہ ستم کہاں
یہ زخمِ بے نمک تو میرا مدعا نہیں

ہاں مہر و جورِ دوست ہمیں دل سے سب قبول
وہ فکر کیا جو آئینۂ حق نما نہیں

مینا گداز جب ہو محبت کی تند مے
پیغامِ غم اٹھائے یہ ظرفِ صبا نہیں

ہر مرحلہ سراب ہے اس لب کے واسطے
جو نقشِ پائے یار سے بوسہ ربا نہیں

مرہم کی بھیک مانگنا اس کو کہاں روا
خستہ ہے تیغِ ناز کا' غالب گدا نہیں

گردِ فغاں سے وادیِ دل مثلِ رزمگاہ
اور خونِ گرم جیسے رگوں میں تری سپاہ

یہ حسن کا حجاب ہے کس شوق کا گناہ
ناز و ادا پہ بار ہے بیباکیِ نگاہ

خوں ہے دلِ بہار تری مست چال سے
بے پردہ یوں چمن میں تجھے لائی کس کی آہ

وابستگی ہماری کہ بیگانگی تری
ظالم بتا کہ سارا جہاں کس پہ ہے گواہ

اس پیچ و خم کی تاب کہاں مُوئے یار کو
تصویر کس کے بخت کی ہے گیسوئے سیاہ

کس خوش ادا کی چھوٹ گل و نسترن پہ ہے
صحنِ چمن ہے جلوۂ رعنائیِ کلاہ

ہے آج سب کی آنکھوں میں اک اجنبی چمک
روشن نظر کو کرتی ہے یوں کس کی گردِ راہ

وہ میرے ساتھ خواب میں اور مجھ کو یہ خلش
ہے عرصۂ خیالِ عدو کس کی جلوہ گاہ

بے خود یہ وقتِ ذبح تڑپنا مری خطا
دشنہ نہ تیز کرنا' بتا کس کا ہے گناہ

غالب حسابِ زندگی از سر گرفتہ است
جانا! بہ من بگو کہ غمت عمر کاہِ کیست

در تابم از خیال کہ دل جلوہ گاہِ کیست
داغم ز انتظار کہ چشمش براہِ کیست

از نالہ خیزیِ دلِ سختش در آتشم
کایں سنگ پر شرر ز ہجومِ نگاہِ کیست

چشمش پر آب از تفِ مہرِ پری وشے ست
من در گمان کہ از اثرِ دودِ آہِ کیست

ظالم تو و شکایتِ عشق ایں چہ ماجراست
بارے بمن بگو کہ دلت دادخواہِ کیست

در خود گم ست جلوۂ برقِ عتابِ تو
ایں تیرگی بہ طالعِ مشتِ گیاہِ کیست

نیرنگِ عشق شوکتِ رعنائیِ تو برد
در طالعِ تو گردشِ چشمِ سیاہِ کیست

گوید ز عجز چوں تو خدا ناشناس حیف
با چوں خودے کہ داورِ گیتی گواہِ کیست

بایں ہمہ شکست درستی ادائے اوست
رنگِ رخت نمونۂ طرفِ کلاہِ کیست

باتو بہ پند حرف بہ تلخی گناہِ من
بامن بہ عشق غلبہ بہ دعویٰ گناہِ کیست

غالب کنون کہ قبلۂ او کوئے دلبریست
کے می رسد بدیں کہ درش سجدہ گاہِ کیست

میرم، ولے بترسم کز فرطِ بدگمانی
داند کہ جاں سپردن از عافیت گزینی ست

در بادہ دیر مستم، آری ز سخت جانیست
در غمزہ زود رنجی، آری ز نازنینی ست

من سوی او بہ بینم، داند ز بے حیائیست
او سوی من نہ بیند، دانم ز شرمگینی ست

سوزم دمے کہ یارم یاد آورد کہ غالب
در خاطرش گزشتن با غیر ہم نشینی ست

اک اور زندگی ملی غالب کو ہجر میں
جاناں! بتا کہ غم ترا، ہے کس کا عمر کاہ

ظالم بتا کہ دل ہے ترا کس کی جلوہ گاہ — ہے کس کے انتظار میں یوں چشم، وقفِ راہ
اس دل کی نالہ خیزی پہ جلتا ہوں رشک سے — جو آگ بھر دے سنگ میں، ہے کس کی وہ نگاہ
گریہ کناں وہ ایک پری رو کی چاہ میں — اور مجھ کو یہ گماں کہ لگی ہے کسی کی آہ
یہ کیا کہ تیرے لب پہ شکایت ہے عشق کی — ہے کس کی بیوفائی پہ دل تیرا داد خواہ
کس نے بجھائی آ کے تری آتشِ غضب — کیوں تیری برقِ ناز ہے شرمندۂ گیاہ
نیرنگِ عشق سے تری رعنائیاں گئیں — طالع کے پھیر میں ہے کوئی دیدۂ سیاہ
تو اور ایسا عجز! خدا ناشناس، حیف — کہنا وہ تیرا درد سے ''یارب تیری پناہ''
اڑنے میں رنگِ رخ کے بناؤ عجیب ہے — پردے میں اس نکھار کے، ہے کوئی کج کلاہ
ہاں تجھ سے حرفِ پند میں تلخی مری خطا — اظہارِ عشقِ غیر کا غلبہ ترا گناہ

جب اس نے کوئے دوست کو قبلہ بنا لیا
غالب اب اس کا در ہو کسی کی بھی سجدہ گاہ

مر جاؤں میں ولیکن ہے بدگماں کچھ ایسا — مرنے کو میرے سمجھے وہ عافیت گزینی
صہبا سے دیر مستی، ہاں میری سخت جانی — غمزے سے تنگ آنا، یہ تیری نازنینی
میں دیکھ لوں اسے تو جانے وہ بے حیائی — دیکھے نہ وہ مجھے تو میں سمجھوں شرمگینی

غالب کو یاد کر کے کیوں رشک سے جلاؤ
غیروں کے ساتھ اس کو کب تابِ ہم نشینی

بے تکلف در بلا بودن بہ از بیم بلاست
قعرِ دریا سلسبیل و روے دریا آتشست

ہم بدیں نسبت زشوخی در دلت جا کردہ ایم
فاش گوئیم از تو سنگست آنچہ از ما آتشست

پاک خور امروز و زنہار از پے فردا منہ
در شریعت بادہ امروز آب و فردا آتشست

گشتہ ام غالب طرف با مشربِ عرفی کہ گفت
''روئے دریا سلسبیل و قعرِ دریا آتشست''

بہ خود رسیدنش از بسکہ دشوار ست
چو ما بدامِ تمنائے خود گرفتار است

ستم کشِ سرِ ناموس جوئے خویشتنم
کہ تا ز جیب برآمد بہ بندِ دستار است

بیا کہ فصلِ بہار ست وگل بہ صحنِ چمن
کشادہ روئے تر از شاہدانِ بازار ست

غم شنیدن و لختے بہ خود فرو رفتن
خوشا فریب ترحم چہ سادہ پرکار ست

فناست ہستیِ من در تصورِ کرمش
چو نغمۂ کہ ہنوزش وجود در تار ست

ز آفرینشِ عالم غرض جز آدم نیست
بگردِ نقطۂ ما دورِ ہفت پرکار ست

نگاہ خیرہ شد از پرتوِ رخش غالب
تو گوئی آئینۂ ما سراب دیدار ست

گردِ رہِ خویش از نفسم باز ندانست
تنگش ز خرام آمد و پرواز ندانست

زانسان غمِ ما خورد کہ رسوائیِ ما را
خصم از اثرِ غمزۂ غماز ندانست

فریاد کہ با این ہمہ خوں خوردنم از غم
یکرہ بدلش کرد گزر راز ندانست

ہر بلا کا سامنا خوفِ بلا سے سہل ہے
قعرِ دریا سلسبیل اور رُوئے دریا آگ ہے

فاش کہتا ہوں کہ تجھ سے خاص نسبت ہے مجھے
سنگِ دل میں تیرے جاناں عشق میرا آگ ہے

جو ملے وہ آج پی، کل کے لیے کچھ بھی نہ رکھ
آب ہے امروز بادہ اور فردا آگ ہے

معترض غالب ہے عرفی پر کہ جس نے یہ کہا
روئے دریا سلسبیل اور قعرِ دریا آگ ہے

وہ محوِ ناز سمجھ پائے خود کو ہے دشوار
کہ گم ہے میری طرح اپنے آپ میں دلدار

ہے میرے نفس کو ناموس کا عجب سودا
کہ جیب سے ہے سوا شوقِ نازشِ دستار

اب آ بھی جا کہ ہے گلشن پہ اس غضب کا نکھار
کہ گل کے روپ سے شرمائے شاہدِ بازار

وہ میرے غم پہ ترحم سے خود میں کھو جانا
فریب دیتا ہے کیا یارِ سادہ و پُرکار

تصورِ کمرِ یار میں ہوا معدوم
میں ایک نغمہ ہوں خوابیدہ زیرِ زخمہ وتار

ہے آفرینشِ عالم کا مدعا آدم
چہار سُو اسی نقطے کے گردشِ پرکار

نگاہ خیرہ ہے پرتو سے یار کے غالب
ہمارے آئینے کو کب تھی طاقتِ دیدار

جز گردِ سفر وہ مری آواز نہ جانے
گھبرا کے اُڑا چاہے تو پرواز نہ جانے

غمخواری ذرا دیکھو کہ رسوائی کو میری
دشمن اثرِ غمزۂ غماز نہ جانے

افسوس کہ اندوہ میں ڈوبی ہوئی فریاد
اس دل سے جو گزرے تو مرا راز نہ جانے

نازم نگهٔ شرم کہ دلہا ز میان برد
زانساں کہ خود آن چشمِ فسوں ساز ندانست

یک چند بہم ساختہ ناکام گزشتیم
من عشوہ نہ پزرفتم و او ناز ندانست

از شاخ گل افشاند و ز خارا گہر انگیخت
آئینۂ ما در خور پرداز ندانست

گریم کہ برد موجۂ خوں خواب گہش را
در نالہ مرا دوست ز آواز ندانست

ہمدم کہ ز اقبال نویدِ اثرم داد
اندوہِ نگاہِ غلط انداز ندانست

مخمورِ مکافات بہ خلد و سقر آویخت
مشتاقِ عطا شعلہ ز گل باز ندانست

غالب سخن از ہند بروں بر کہ کس اینجا
سنگ از گہر و شعبدہ ز اعجاز ندانست

ہر ذرّہ محوِ جلوۂ حسنِ یگانہ ایست
گوئی طلسمِ شش جہت آئینہ خانہ ایست

حیرت بدہر بے سروپا می برد مرا
چوں گو ہر از وجودِ خودم آب و دانہ ایست

ناچار با تغافلِ صیّاد ساختم
پنداشتم کہ حلقۂ دام آشیانہ ایست

پابستۂ نوردِ خیالی ' چو وارسی
ہر عالمے ز عالمِ دیگر فسانہ ایست

خودداریم بہ فصلِ بہاراں عناں گسیخت
گلگونِ شوق را رگِ گل تازیانہ ایست

ہر سنگ عینِ ثابتۂ آبگینۂ
ہر برگِ تاک قفلِ درِ شیرہ خانہ ایست

ہر ذرّہ در طریقِ وفائے تو منزلے
ہر قطرہ از محیطِ خیالت کرانہ ایست

در پردۂ تو چند کشم نازِ عالمے
داغم ز روزگار و فراقت بہانہ ایست

وحشت چو شاہداں بہ نظر جلوہ می کند
گردِ رہ و ہوا سرِ زلفے و شانہ ایست

اس کی نگہِ شرم نے دل ناز میں لوٹے
اس طرح کہ خود چشمِ فسوں ساز نہ جانے

اک پل کو ملے، پھر ہوئے ناکام ہی رخصت
میں عشوے سے بے بہرہ، وہ انداز نہ جانے

جو شاخ سے گل، سنگ سے گوہر کرے پیدا
وہ شیشہ* مرا لائقِ پرداز نہ جانے

اشکوں سے بہا دیجئے پھر خواب گہِ دوست
جب نالہ مرا سن کے وہ آواز نہ جانے

غمخوار ہے خوش اس کی اچٹتی سی نظر سے
اندوہِ نگاہِ غلط انداز نہ جانے

کیا تذکرۂ خلد و سقر، وہ نہیں عاشق
جو شعلے کو گل، قہر کو انداز نہ جانے

کیا قدرِ سخن ہند میں، ہے کون جو غالب
پتھر کو گہر، سحر کو اعجاز نہ جانے

ہر ذرّہ محوِ جلوۂ حسنِ یگانہ ہے
گویا طلسمِ شش جہت آئینہ خانہ ہے

حیرت سے ہوں میں دہر میں آوارہ کس لئے
مثلِ گہر جب اپنا وجود آب و دانہ ہے

جز صبر کیا تغافلِ صیاد کا علاج
یہ سوچتا ہوں حلقۂ دام آشیانہ ہے

اس گردشِ خیال سے آزاد ہو کے دیکھ
یاں ہر جہاں اک اور جہاں کا فسانہ ہے

خودداری کی لگام کو توڑا بہار نے
گلگونِ شوق کو رگِ گل تازیانہ ہے

جلوہ ہے آبگینے کا ہر سنگ میں یہاں
ہر برگِ تاک قفلِ درِ شیرہ خانہ ہے

ہر ذرّہ تیری راہ کا، منزل ہے بے گماں
ہر قطرہ بحرِ عشق میں مثلِ کرانہ ہے

پردے میں تیرے عشق کے سہتا ہوں نازِ دہر
ہے رنجِ روزگار کا، فرقت بہانہ ہے

وحشت بھی اک حسیں کی طرح جلوہ گر ہوئی
ہے گردِ راہ زلف، ہوا مثلِ شانہ ہے

* آئینہ

غالب دگر رہ ز منشأ آوارگی مپرس
گفتم کہ جبہہ را ہوسِ آستانہ ایست

ہر چہ فلک نخواست است، ہیچ کس از فلک نخواست
ظرفِ فقیہہ مے نجست، بادہ ما گزک نخواست

غرقہ بہ موجہ تاب خورد، تشنہ زدجلہ آب خورد
زحمتِ ہیچ یک نداد راحت ہیچ یک نخواست

جاہ ز علم بے خبر، علم ز جاہ بے نیاز
ہم محکِ تو زر ندید، ہم زرِ من محک نخواست

شحنۂ دہر برملا ہر چہ گرفت پس نداد
کاتبِ بخت در خفا ہر چہ نوشت حک نخواست

خونِ جگر بجائے مے، مستیِ ما قدح نداشت
نالۂ دل، نوائے نے، رامشِ ما غچک نخواست

زاہد و ورزشِ سجود آہ ز دعویِ وجود
تا نزدِ اہرمن رہش، بدرقۂ ملک نخواست

بحث و جدل بجائے ماں، میکدہ جوے کاندراں
کس نفس از جمل نزد، کس سخن از فدک نخواست

گشتہ در انتظارِ پور دیدۂ پیرِ رہ سفید
در رہِ شوق ہمرہی دیدہ زمردمک نخواست

حسن چہ کامِ دل دہد، چون طلب از حریف نیست
خست نگاہ گر جگر خستہ زلب نمک نخواست

خرقہ خوش است در برم، پردہ چنیں خشن خوش ست
عشق بخار خارِ غم پیرہنم تنک نخواست

رندِ ہزار شیوہ را طاعتِ حق گراں نبود
لیک صنم بہ سجدۂ در ناصیہ مشترک نخواست

سہل شمرد و سرسری، تا تو ز عجز نشمری
غالب اگر بداوری دادِ خود از فلک نخواست

ما لاغریم، گر کمرِ یار نازکست
فرقے ست درمیانہ کہ بسیار نازکست

غالب بتاؤں کیا سبب آوارگی کا میں
میری جبیں کو بس ہوسِ آستانہ ہے

چاہے فلک سے کون وہ' خود ہی نہ چاہے جو فلک
باده نہ مانگے ظرفِ شیخ اور نہ میری مے گزک

موج ہی غرقِ ناگہاں' تشنہ لبوں کو موج اماں
ظلم کا چھوڑیے گماں' لطف کا کیجیے نہ شک

علم سے جاہ بے خبر' جاہ سے علم بے نیاز
دیکھے نہ زر محک تری' ڈھونڈے نہ میرا زر محک

شحنۂ دہر وہ بلا' چھوڑے نہ لے کے کچھ ذرا
کاتبِ بخت کا لکھا' مٹ نہ سکے گا حشر تک

مے کے بجائے خونِ دل' مستی ہے میری بے قدح
نالۂ دل نوائے نے' نغمہ ہے میرا بے غچک

ورزشِ سجدہ پر نہ کر' ناز وغرور اس قدر
لوٹے نہ اہرمن کہیں' مانگ ہدایتِ ملک

بحث وجدل کو چھوڑ کر میکدہ ڈھونڈیے جہاں
ذکرِ جمل سنے کوئی اور نہ قصۂ فدک

بیٹے کے غم میں باپ کی آنکھیں سفید ہو گئیں
دیدہ نہ چاہے ساتھ ہو رنج میں اس کے مردمک

حسن غریب کیا کرے' عشق اگر ہو بے طلب
تھک گئی چشمِ انتظار' مانگے نہ خستہ دل نمک

گدڑی ہی میری خوب ہے' پردہ رہے گا کچھ نہ کچھ
لائے گا تابِ خارِ غم کب کوئی پیرہن تنک

رندِ ہزار شیوہ کو طاعتِ حق گراں نہیں
سجدۂ در میں ناصیہ' چاہے صنم نہ مشترک

سہل سمجھ کے چپ رہا' عجز کا اس میں ذکر کیا
دیکھا نہ داد کے لیے غالب نے گر سوئے فلک

لاغر ہیں ہم اگر کمرِ یار ہے نازک
پر فرقِ دل گرفتہ و دلدار ہے نازک

دارم دلے ز آبلہ نازک نہاد تر
آہستہ پا نہم کہ سرِ خار نازکست

از جنبشِ نسیم فرد ریزدے زہم
مارا چو برگِ گل در و دیوار نازکست

با نالہ ام ز سنگدلی ہائے خود مناز
غافل قماشِ طاقتِ کہسار نازکست

زحمت کشید و آن مژہ برگشت ہمچنان
ما سخت جان و لذتِ آزار نازکست

رسوائیِ مباد خود آرائیِ ترا
گل پر مزن کہ گوشۂ دستار نازکست

ترسم تپش ز بند بروں افگند مرا
تابِ کمندِ کاکلِ خمدار نازکست

از جلوہ نا گداختن و رو نساختن
آئینہ را ببیں کہ چہ مقدار نازکست

می رنجد از تحملِ ما بر جفائے خویش
ہاں شکوہ کہ خاطرِ دلدار نازکست

از ناتوانیِ جگر و معدہ باک نیست
عالب دل و دماغ تو بسیار نازکست

امشب آتشیں روے گرمِ ژندخوانی ہاست
کزلبش نوا ہر دم در شرر فشانی ہاست

تا در آب افتادہ، عکسِ قدِ دلجویش
چشمہ ہمچو آئینہ فارغ از روانی ہاست

درکشاکشِ ضعفم نگسلد روان از تن
اینکہ من نمی میرم، ہم ز ناتوانی ہاست

از خمیدنِ پشتم، روے برقضا باشد
تا چہا دریں پیری حسرتِ جوانی ہاست

کشتۂ دل خویشم کز ستمگراں یکسر
دید دلفریبی ہا، گفت مہربانی ہاست

سوی من نگہ دارد چیں فگندہ در ابرو
باگراں رکابی ہا، خوش سبک عنانی ہاست

دائم از سرِ خاکم رخ نہفتہ بگزشتن
ہاں وہاں! خدادشمن ایں چہ بدگمانی ہاست

ہے چھالوں سے بھی بڑھ کے مرے دل کی نزاکت
آہستہ رکھوں پاؤں سرِ خار ہے نازک

کر دے نہ اس کو ڈھیر کہیں جنبشِ نسیم
مانندِ برگِ گل مری دیوار ہے نازک

کیا سنگدلی ٹھہرے گی نالوں کے مقابل
غافل قماشِ طاقتِ کہسار ہے نازک

زحمت اٹھائی مفت میں مژگانِ یار نے
ہم سخت جاں ہیں لذّتِ آزار ہے نازک

ہو شوقِ خودآرائی نہ رسوائی کا باعث
خود پھولوں سے گر جائے گی دستار ہے نازک

مجھ کو یہ تپش بند سے آزاد نہ کر دے
تابِ کمندِ کاکلِ خمدار ہے نازک

جلوؤں کی فراوانی سے شرمایا، نہ ٹوٹا
گو آئینے کی طاقتِ دیدار ہے نازک

ہے اپنی جفاؤں پہ تحمّل سے وہ دلگیر
شکوہ ہی کروں خاطرِ دلدار ہے نازک

ہیں ناتوان گر جگر و معدہ، خوف کیا
غالب ترا دماغ مرے یار ہے نازک

آتشیں نگار اپنا گرمِ زند خوانی ہے
ہر نوا میں شعلے ہیں، کیا شرر فشانی ہے

دیکھ عکسِ جاناں کو تھم گیا ہے پانی بھی
چشمہ مثلِ آئینہ فارغ از روانی ہے

ضعف میں کشاکش سے بندِ جسم سے باہر
جاں نہیں نکل پاتی، ایسی ناتوانی ہے

جھک گئی کمر اتنی پڑتی ہے نظر پیچھے
کیا ہی عہدِ پیری میں حسرتِ جوانی ہے

کیوں ستم سے گھبراؤں، اپنے دل کا کشتہ ہوں
دلفریبیِ جاناں عین مہربانی ہے

تیوری پہ بل ڈالے، دیکھتا ہے وہ مجھ کو
اس گراں رکابی میں، کیا سبک عنانی ہے

منہ چھپائے جاتا ہے میری قبر سے دائم
کچھ تو کہہ خدا دشمن کیوں یہ بدگمانی ہے

شوخیش در آئینہ محوِ آں دہن دارد　　چشمِ سحر پردازش، بابِ نکتہ دانی ہاست

با عدو عتابستے ، وز منش حجابستے　　وہ چہ دلربائی ہا، ھے چہ جاں ستانی ہاست

باچنیں تہی دستی، بہرہ چہ بود از ہستی　　کار ما ز سرمستی، آستیں فشانی ہاست

اے کہ اندریں وادی مژدہ از ہما دادی　　بر سرم ز آزادی سایہ را گرانی ہاست

ذوقِ فکر غالب را بردہ ز انجمن بیروں

باظہوری وصائب محوِ ہم زبانی ہاست

جیب مرا مدوز کہ بودش نماندہ است　　تارش زہم گسستہ و پودش نماندہ است

داد از تظلمے کہ بگوشت نمی رسد　　آہ از توقعے کہ وجودش نماندہ است

چوں نقطہ اخترِ سیہ از سیر باز ماند　　گوئی دگر ہبوط و صعودش نماندہ است

مکتوبِ ما بہ تارِ نگاہِ تو عقدہ ایست　　کز ہیچ رو امیدِ کشودش نماندہ است

دل را بہ وعدۂ ستمے می تواں فریفت　　نازے کہ بر وفائے تو بودش نماندہ است

افتادگی نمازِ دلِ ناتوانِ ماست　　دردِ سرِ قیام و قعودش نماندہ است

دل جلوہ میدہد ہنرِ خود در انجمن　　رحمے مگر بجانِ حسودش نماندہ است

دل در غمِ تو مایہ برہزن سپردہ ایست　　کار از زیاں گزشتہ و سودش نماندہ است

غالب زبان بریدہ و آگندہ گوش نیست

امّا دماغِ گفت و شنودش نماندہ است

بلبل دلت بہ نالۂ خونیں بہ بند نیست　　آسودہ زی کہ یارِ تو مشکل پسند نیست

اندازہ گیر ذوقِ غمم در مذاقِ من　　تلخابِ گریہ را نمکِ زہر خند نیست

آئینے میں شوخی سے وہ دہن کو تکتا ہے — چشمِ پُرفسوں اس کی بابِ نکتہ دانی ہے
ہے عتاب غیروں پر اور حجاب اپنوں سے — کیسی دلربائی ہے، کیسی دلستانی ہے
ایسی تنگدستی میں، کیا ہے حاصلِ ہستی — کام اپنا مستی میں، آستیں فشانی ہے
مژدۂ ہما سے کیا ہو کوئی خوشی مجھ کو — میرے سر پہ سایہ بھی باعثِ گرانی ہے

انجمن سے بے پروا، ذوقِ فکر میں غالب
صائب و ظہوری سے محوِ ہم زبانی ہے

کیا بخیہ! پیرہن کا وجود اب نہیں رہا — وہ وہمِ تار و رشتۂ پود اب نہیں رہا
افسوس وہ پکار جو پہنچی نہ یار تک — حیف آرزو کہ جس کا وجود اب نہیں رہا
اس نقطے کی طرح ہے مرا اخترِ سیہ — جس کا کوئی ہبوط و صعود اب نہیں رہا
تیری نظر میں ہے مرا مکتوب وہ گرہ — جس کا تجھے خیالِ کشود اب نہیں رہا
تیرے ستم کے وعدے سے دل کو فریب دیں — کیا کیجئے وفا کا وجود اب نہیں رہا
افتادگی نمازِ دلِ ناتواں ہوئی — دردِ سر، قیام و قعود اب نہیں رہا
یوں جلوہ گر ہے اپنا ہنر انجمن میں آج — جیسے وہ پاس جانِ حسود اب نہیں رہا
فکرِ زیاں میں آپ ہی رہزن کو دی متاع — اندازۂ خسارہ و سود اب نہیں رہا

غالب زباں بریدہ، نہ آگندہ گوش ہے
لیکن دماغِ گفت و شنود اب نہیں رہا

نغموں میں اپنے مست ہے، بلبل کو کیا خبر — ہوتا ہے نازِ دلبرِ مشکل پسند کیا
غماز ذوقِ غم کا مرے ظرف کو سمجھ — تلخابِ گریہ کو نمکِ زہر خند کیا

عہدِ وفا ز سوے تو نا استوار بود
بشکستی و ترا بہ شکستن گزند نیست

از دوست میلِ قرب بہ کشتن غنیمت ست
گر تیغ در کماں بہ نشاطِ کمند نیست

بیخود بزیرِ سایۂ طوبیٰ غنودہ اند
شبگیرِ رہروانِ تمنا بلند نیست

ہنگامہ دلکش ست، نویدم بخلد چیست
اندیشہ بےغش است، نیازم بہ پند نیست

مے نوش و تکیہ بر کرمِ کردگار کن
خطِ پیالہ را رقمِ چون و چند نیست

غالب من و خدا کہ سرانجامِ برشگال
غیر از شراب و انبہ و برفاب و قند نیست

منع ما از بادہ عرضِ احتسابے بیش نیست
محتسب! افشردۂ انگور آبے بیش نیست

رنج و راحت برطرف، شاہد پرستانیم ما
دوزخ از سرگرمیِ نازش عتابے بیش نیست

خارج از ہنگامہ سرتا سر بہ بیکاری گزشت
رشتۂ عمرِ خضر مدِ حسابے بیش نیست

قطرہ وموج وکف وگرداب جیحون است وبس
ایں من و مائے کہ می بالد حجابے بیش نیست

خویش راصورت پرستاں ہرزہ رسوا کردہ اند
جلوہ می نامند و درمعنی نقابے بیش نیست

شوخیِ اندیشۂ خویش است سرتا پائے ما
تار و پودِ ہستیِ ما پیچ و تابے بیش نیست

زخمِ دل لب تشنۂ شورِ تبسم ہائے تست
ایں نمکداں ہا بہ چشمِ ما سرابے بیش بیست

نامہ بر از پیشگاہِ ناز، مکتوبِ مرا
پاسخے آوردہ است، اما جوابے بیش نیست

جلوہ کن، منت منہ، از ذرّہ کمتر نیستم
حسن با ایں تابناکی آفتابے بیش نیست

چند رنگیں نکتۂ دلکش ، تکلف برطرف
دیدہ ام دیوانِ غالب ، انتخابے بیش نیست

باندھا ہی تو نے بودا تو کیسے نہ ٹوٹتا | تجھ کو شکستِ عہد سے جاناں گزند کیا
ہے میلِ قربِ قتل میں، احسان یار کا | حاصل ہو تیغ و تیر تو شوقِ کمند کیا
رہرو تمام سایۂ طوبیٰ میں سو گئے | تھا اس قدر ہی حوصلہ ان کا بلند کیا
دلکش ہو زندگی تو کسے خواہشِ بہشت | اور ہو خیال پاک تو پھر جائے پند کیا
کر تکیہ پی کے مے کرمِ کردگار پر | خطِ پیالہ پر رقمِ چون و چند کیا

غالب تمہی کہو کہ سرِ انجامِ برشگال
ہے جُز شراب و انبہ و برفاب و قند کیا

کس لئے روکے ہے مے سے! کیا ہے وجہِ احتساب | آب ہے اے محتسب! افشردۂ انگور، آب!
رنج وراحت چھوڑ، ہم عاشق ہیں اس محبوب کے | ہے سوا کچھ آتشِ دوزخ سے بھی جس کا عتاب
کوئی ہنگامہ نہیں، بیکار ہی گزری تمام | رشتۂ عمرِ خضر ہے کیا بجز مدِّ حساب
قطرہ وموج وکف وگرداب ہیں جیحوں تمام | ہے یہ تفریقِ من وتو کیا، مظاہر کا حجاب
مفت میں رسوا ہوئے ہیں دہر میں صورت پرست | جانتے ہیں جس کو جلوہ، ہے حقیقت میں نقاب
شوخیِ اندیشۂ خود کی ہیں اک تصویر ہم | تار و پودِ ہستی کا کیا ہے صرف اپنا پیچ وتاب
ہے فقط شورِ تبسم کا پیاسا زخمِ دل | میری آنکھوں کے لئے سارے نمکداں ہیں سراب
اپنا ہی مکتوب لے کے لوٹ آیا نامہ بر | بارگاہِ ناز سے لو مل گیا ہم کو جواب
یوں نہ ترسا، جلوہ کر، ذرّے سے میں کمتر نہیں | تابناکی میں بھلا کیا تجھ سے کم ہے آفتاب

چند رنگیں نکتۂ دلکش، تکلف برطرف
دیکھ لو دیوانِ غالب ہے سراسر انتخاب

لذّتِ عشقم زفیضِ بے نوائی حاصل است — آنچناں تنگ است دستِ من کہ پنداری دل است

وائے لب گر دل زتابِ تشنگی نگدازدم — میگساراں مست و من مخمور و ساقی غافل است

بسکہ ضبطِ مشقِ غم فرسود اعضائے مرا — رازِ دل از ہمنشینانم نہفتن مشکل است

شہرِ دل نیست گر حسرت، مرا اینجا از چہ رو — چشمِ اہلِ دل زباں دانِ نگاہِ سائل است

در نوردِ گفتگو از آگہی وامانده ایم — پیچ و تابِ رہ نشانِ دوری سر منزل است

عقل در اثباتِ وحدت خیرہ می گردد چرا — ہر چہ جز ہستی ست ہیچ و ہر چہ جز حق باطل است

ماہماں عینِ خودیم امّا خود از وہمِ دوئی
درمیان ما و غالبؔ ما و غالب حائل است

ہم وعدہ وہم منع زبخشش چہ حساب ست — جاں نیست، مکرّر نتواں داد، شراب است

در مژدہ ز جوئے عسل و کاخِ زمرّد — چیزے کہ بہ دلبستگی ارزد مئے ناب است

لہراسپ! کجا رفتی و پرویز! کجائی — آتشکدہ ویرانہ و میخانہ خراب است

از جلوہ بہ ہنگامہ شکیبا نتواں شد — لب تشنۂ دیدارِ ترا خلد سراب است

باایں ہمہ دشوار پسندی چہ کند کس — تاپردہ برانداختہ در بندِ حجاب است

دوشیزہ بہ مستی کہ مکیدست لبش را؟ — کامروز بہ پیمانۂ مے در شکر آب است

آں قلزمِ داغیم کہ بر ما ز جہنم — چنداں کہ فتد صاعقہ باران در آب است

تا غالبِ مسکین چہ تمتّع برد از تو
برداشتۂ آنچہ خود از چہرہ، نقاب است

بے نوائی سے عجب ہوتی ہے لذت حاصل
تنگ دستی سے جو شرمائے مری تنگیِ دل

وائے گر تشنگی کر دے نہ مرے دل کو گداز
رند بدمست، میں مخمور ہوں، ساقی غافل

ضبطِ اندوہِ محبت سے ہوا ہوں نڈھال
رازِ دل اہلِ نظر سے ہے چھپانا مشکل

حسرت و یاس سے رکھتے ہیں جو دل کو آباد
ہے نظر ان کی زباں دانِ نگاہِ سائل

بحث و تمحیص میں واماندۂ آگاہی ہیں
راہ پُر پیچ ہے ہم کس طرح پائیں منزل

رازِ وحدت کو سمجھنے سے خرد ہے عاجز
غیرِ حق کچھ بھی نہیں، حق کے سوا سب باطل

ہوں میں خود عینِ خودی وہمِ دوئی ہے باطل
غالب اور مجھ میں ہے فرقِ من و غالب حائل

دنیا میں مے حرام ہے، جنت میں بے حساب
جاں تو نہیں کہ دیں نہ دوبارہ، یہ ہے شراب

حور و قصور و طوبیٰ و کوثر کو چھوڑیے
ہم کو عزیز خلد کے ساماں سے ہے شراب

لہراسپ بے نشان ہے، پرویز زیرِ خاک
آتشکدہ بجھا ہوا، میخانہ ہے خراب

کیسا قرار جلوۂ حور و قصور سے
مشتاقِ دید کے لئے جنت بھی ہے سراب

مشکل پسند ایسا کہ عاجز ہے ہر کوئی
بے پردگی بھی یار کی بن جائے ہے حجاب

مستی میں رات کس نے لگائے تھے لب اسے
شیریں ہوئی ہے آج جو پیمانے میں شراب

ہم بحرِ داغِ غم ہیں جہنم سے کیا ڈریں
ہم کو عذابِ نار ہے باراں بروئے آب

نظارے سے وہ لطف اٹھائے تو کس طرح
جلوہ بھی تیرا غالبِ مسکیں کو ہے نقاب

یار در عہدِ شبابم بکنار آمد و رفت
ہمچو عیدے کہ در ایّامِ بہارِ آمد و رفت

تا نفس باختۂ پیروی شیوۂ کیست
تند بادے کہ بہ تاراجِ غبار آمد و رفت

سبحہ گردانِ اثرہاے وجودست خیال
ہر چہ گل کرد تو گوئی بہ شمار آمد و رفت

شادی و غم ہمہ سرگشتہ تر از یک دگرند
روزِ روشن بہ وداعِ شبِ تار آمد و رفت

ہرزہ مشتاب و پے جادہ شناسان بردار
اے کہ در راہِ سخن چوں تو ہزار آمد و رفت

برق تمثالِ سراپاے تو میخواست کشید
طرزِ رفتارِ ترا آئینہ دار آمد و رفت

بلہ غافل ز بہاراں چہ طمع داشتہ ای
گیر کامسال بہ رنگینیِ پار آمد و رفت

غالبا عینِ حزین است بہ ہنجارِ بُروز
موجِ این بحر مکرّر بکنار آمد و رفت

از فرنگ آمدہ در شہر فراواں شدہ است
جرعہ را دیں عوض آرید مے ارزاں شدہ است

در دلش جوئی و در دیر و حرم نشناسی
تا چہ روداد کہ در زاویہ پنہاں شدہ است

لب گزد بیخود و با خود شکر آبے دارد
تا چہ گفت است کہ از گفتہ پشیماں شدہ است

دُردِ روغن بہ چراغ و کدرِ مے بہ ایاغ
تا خود از شب چہ بجا ماند کہ مہماں شدہ است

شاہد و مے زمیاں رفتہ و شادم بہ سخن
بِکشتہ ام بید دریں باغ کہ ویراں شدہ است

شہرتم گر بہ مثل مائدہ گردد، بینی
کہ بر آں مائدہ خورشید نمکداں شدہ است

غالب آزردہ سروشے ست کہ از مستیِ قرب،
ہم بدان وحی کہ آوردہ غزل خواں شدہ است

کیا پری چہرہ جوانی میں نگار آئے گئے
عید کے جشن بہ ایامِ بہار آئے گئے

کس ستم پیشہ کی تھی پیروی مطلوب انہیں
تند جھونکے جو بہ تاراجِ غبار آئے گئے

سبحہ گرداں ہے ہر اک منظرِ ہستی کا خیال
نقش ابھرے جو عدم سے بہ شمار آئے گئے

شادی وغم کو بھی دنیا میں نہیں کوئی قرار
اک تسلسل سے یہاں لیل ونہار آئے گئے

ایسی عجلت میں رہِ جادہ شناساں مت چھوڑ
وادیِ شعر میں تجھ جیسے ہزار آئے گئے

تیز گامی کا تری عکس ہے بجلی کی لپک
تیری رفتار کے کیا آئینہ دار آئے گئے

موسمِ گل میں نہیں تازہ نظاروں کی جھلک
بس وہی جلوے بہ رنگینیِ پار آئے گئے

موجزن شعر میں غالب کے ہوا بحرِ حزیں
کتنے سیلاب مکرّر بکنار آئے گئے

افرنگ کی شراب فراواں ہے آج کل
دیں کے عوض خرید کہ ارزاں ہے آج کل

دیر و حرم میں کوئی اسے جانتا نہیں
وہ سینہ ہائے خلق میں پنہاں ہے آج کل

جب اس کی میزبانی کا ساماں نہیں رہا
وہ خوش خصال کس لئے مہماں ہے آج کل

یہ بار بار ہونٹ چبانا ہے کس لئے
کیا اس نے کہہ دیا کہ پشیماں ہے آج کل

محوِ سخن ہے شاہد و مے کے بغیر بھی
دل باغبانِ گلشنِ ویراں ہے آج کل

شہرت کو میری دیجئے گر مائدہ قرار
خورشید اس میں مثلِ نمکداں ہے آج کل

غالب عجب سروش ہے اُترا تھا جس کے ساتھ
اس وحی سے وہ خود ہی غزل خواں ہے آج کل

گفتم بروزگار سخنور چو من بسے ست — گفتند اندرین کہ تو گفتی سخن بسے ست

معنی غریب مدعی و خانہ زادِ ماست — ہر جا عقیق نادر و اندر یمن بسے ست

مشکیں غزالہ ہا کہ نہ بینی بہ ہیچ دشت — در مرغزار ہائے ختا و ختن بسے ست

در صفحہ نبودم ہمہٗ آنچہ در دل است — در بزم کمترست گل و در چمن بسے ست

لیلیٰ بدشتِ قیس رسیدست ناگہاں — در کارواں جمازۂ محمل فگن بسے ست

باید بہ غم نخوردنِ عاشق معاف داشت — آنرا کہ دل ربودن و نشناختن بسے ست

زورِ شرابِ جلوۂ بت کم شمردہ ایم — امّا نظر بہ حوصلۂ برہمن بسے ست

تاثیر آہ و نالہ مسلّم ولے مترس — ما را ہنوز عربدہ با خویشتن بسے ست

غالبؔ نخورد چرخ فریب ار ہزار بار
گفتم بروزگار سخنور چو من بسے ست

دل بردن ازیں شیوہ عیانست و عیاں نیست — دانی کہ مرا بر تو گمانست و گماں نیست

در عرضِ غمت پیکرِ اندیشۂ لالم — پا تا سرم اندازِ بیانست و بیاں نیست

فرمانِ تو برجانِ من و کارِ من از تو — بے پردہ بہ ہر پردہ روانست و رواں نیست

داغیم ز گلشن کہ بہارست و بقا ہیچ — شادیم بہ گلخن کہ خزانست و خزاں نیست

سرمایۂ ہر قطرہ کہ گم گشت بہ دریا — سودیست کہ ما نا بہ زیانست و زیاں نیست

در ہر مژہ برہم زدن ایں خلق جدیدست — نظارہ سگالد کہ ہمانست و ہماں نیست

در شاخ بود موجِ گل از جوشِ بہاراں — چوں بادہ بہ مینا کہ نہانست و نہاں نیست

میں جب کہوں کہ مجھ سے یہاں اہلِ فن بہت
کہتے ہیں وہ یہ ناز سے اس میں سخن بہت

جو غیر سے بعید ہیں معنیٰ کے وہ گہر
ہیں میرے پاس مثلِ عقیقِ یمن بہت

بے فائدہ تلاش ہے صحرا و دشت میں
ہیں مرغزارِ جاں میں غزالِ ختن بہت

صفحے پہ دل کے راز کا عشرِ عشیر ہے
گل جیسے کم ہوں بزم میں، زیب چمن بہت

لیلیٰ سلامت آئی فقط جذبِ قیس سے
تھے قافلے میں ناقۂ محمل فگن بہت

کیا اس سے بے وفائی کا شکوہ کریں جسے
دل چھین کر بھلانے کا آتا ہے فن بہت

کچھ بھی نہ اس پہ جلوۂ بت کا ہوا اثر
حیران کن ہے حوصلۂ برہمن بہت

تاثیرِ آہ و نالہ مسلّم مگر مجھے
جھگڑا ہے خود سے اے بتِ بیدادفن بہت

غالب فلک کو آئے گا ہرگز نہ اعتبار
گر میں کہوں کہ مجھ سے یہاں اہلِ فن بہت

یوں ناز سے دل لینا عیاں ہے بھی نہیں بھی
جانے ہے مجھے اس پہ گماں ہے بھی نہیں بھی

ہونٹوں کو سیا غم نے ترے بات کروں کیا
بس خامشی اندازِ بیاں ہے بھی نہیں بھی

فرمان ترا مجھ پہ، مری تجھ سے ہے حاجت
ہر پردے میں بے پردہ رواں ہے بھی نہیں بھی

افسوس کہ گلشن کی بہار ایک دو پل ہے
کیا بات ہے گلخن کی خزاں ہے بھی نہیں بھی

ہر قطرے کا سرمایہ جو دریا میں ہوا گم
اک سود کا سودا کہ زیاں ہے بھی نہیں بھی

جب آنکھ جھپکنے میں نئی خلق ہو پیدا
نظارہ کہے یہ وہ جہاں ہے بھی نہیں بھی

ہے موجِ گل اک جوشِ بہاراں سے تہِ شاخ
مے جس طرح شیشے میں نہاں ہے بھی نہیں بھی

ناکس ز تنومندی ظاہر نشود کس چوں سنگِ سرِ رہ کہ گرانست وگراں نیست

غالب ہلہ نظارگیِ خویش تواں بود
زیں پردہ بروں آ کہ چنانست و چناں نیست

بوادیئے کہ درآں خضر را عصا خفتست به سینہ می سپرم رہ اگرچہ پا خفتست
بدیں نیاز کہ با تست ناز می رسدم گدا بہ سایۂ دیوارِ پادشا خفتست
بہ صبح حشر چنیں خستہ روسیہ خیزد کہ در شکایتِ درد و غمِ دوا خفتست
خروشِ حلقہ رندان ز نازنیں پسریست کہ سر بزانوے زاہد بہ بوریا خفتست
ہوا مخالف و شب تار و بحر طوفاں خیز گسستہ لنگرِ کشتی و ناخدا خفتست
غمت بہ شہر شبیخون زنان بہ بنگہِ خلق عسس بہ خانہ و شہ در حرم سرا خفتست
دلم بہ سبحہ و سجادہ و ردا لرزد کہ دزدِ مرحلہ بیدار و پارسا خفتست
درازیِ شب و بیداریِ من این ہمہ نیست ز بختِ من خبر آرید تا کجا خفتست
ببیں ز دور و مجو قربِ شہ کہ منظر را دریچہ باز و بہ دروازہ اژدہا خفتست
براہ خفتنِ من ہر کہ بنگرد داند کہ میرِ قافلہ در کارواں سرا خفتست
دگر ز ایمنیِ راہ و قربِ کعبہ چہ حظ مرا کہ ناقہ ز رفتار ماند و پا خفتست

بخواب چوں خودم آسودہ دل مداں غالب
کہ خستہ غرقہ بخوں خفتہ است تا خفتست

ناکس تو تن و توش کے باوصف رہا ہیچ جوں سنگِ سرِ رہ کہ گراں ہے بھی نہیں بھی

مشکل تو نہیں دیکھنا خود اپنے کو غالب
پردے میں تری ذات عیاں بھی ہے نہیں بھی

وہ دشت جس میں رہا خضر کا عصا خفتہ بڑھا میں سینے کے بل، تھا اگرچہ پا خفتہ
مرے نیاز میں بھی دیکھ ناز کا عالم ہے زیرِ سایۂ دیوارِ شہ گدا خفتہ
وہ روزِ حشر اٹھے گا خراب و خستہ و خوار شکایتِ غمِ جاناں میں جو ہوا خفتہ
خروشِ حلقۂ رنداں وہ نازنیں کافر دھرے جو شیخ کے زانو پہ سر رہا خفتہ
ہوا شدید ہے، شب تیرہ، بحر طوفاں خیز شکستہ لنگرِ کشتی ہے، ناخدا خفتہ
کیا ہے شہر کو تاراج غم کے شبخوں نے ہے شحنہ نیند میں مدہوش، پادشا خفتہ
مآل سبحہ و سجادہ و ردا سے ڈرو کہ چور گھات میں ہے اور پارسا خفتہ
جدائی میں رہوں بیدار میں تو غم کیسا یہ ڈر ہے بخت نہ میرا رہے سدا خفتہ
ہے قربِ شاہ میں خطرہ، نظارہ دور سے کر کھلے دریچے کے نیچے ہے اژدہا خفتہ
بتاؤ پہنچے گا منزل پہ کارواں کیسے سرائے عیش میں ہے میرِ قافلہ خفتہ
نہ قربِ کعبہ نہ محفوظ رہ سے اب حاصل اُدھر نڈھال ہے ناقہ اِدھر مَیں پا خفتہ

مجھے نہ خواب میں آسودہ جانیو غالب
لہو میں ڈوب کے ہے ایک بے نوا خفتہ

ہند را رندِ سخن پیشۂ گمنامے ہست — اندریں دیرِ کہن میکدہ آشامے ہست

خسروی بادہ دریں دور اگر می خواہی — پیشِ ما آئی کہ تہ جرعۂ از جامے ہست

نامہ از سوزِ درونم بہ رقم سوختہ شد — قاصد ار دم زند از حوصلہ پیغامے ہست

چغد و آزادیِ جاوید، ہما را نازم — کش بہر سو کششے از شکنِ دامے ہست

گفتہ اند از تو کہ بر سادہ دلاں بخشائی — پختہ کاریست کہ ما را طمعِ خامے ہست

گہ رخ آرائی و گہ زلفِ سیہ تاب دہی — یاد ناری کہ مرا تیرہ سر انجامے ہست

بے تو گر زیستہ ام، سختیِ ایں درد بسنج — بگزر از مرگ کہ وابستہ بہ ہنگامے ہست

کیست در کعبہ کہ رطلے زنبیذم بخشد — ور گرو کاں طلبد جامۂ احرامے ہست

مئے صافی ز فرنگ آید و شاہد ز تتار — ما نہ دانیم کہ بغدادے و بسطامے ہست

بر دلِ نازکِ دلدار گرانی مکناد — خواہشِ ما کہ جگر گوشۂ ابرامے ہست

شعرِ غالب نبود وحی و نگوئیم ولے

تو و یزداں، نتواں گفت کہ الہامے ہست

بامن کہ عاشقم سخن از ننگ و نام چیست — در امرِ خاص حجتِ دستورِ عام چیست

با دوست ہر کہ بادہ بہ خلوت خورد مدام — داند کہ حور و کوثر و دارالسلام چیست

دل خستۂ غمیم و بود مے دوائے ما — با خستگاں حدیثِ حلال و حرام چیست

در، روزِ تیرہ از شب تارم نماند بیم — چوں صبح نیست خود چہ شناسم کہ شام چیست

با خیلِ مور میرسی از رہ، خوش است فال — قاصد بگو کزاں لبِ شیریں پیام چیست

ہند میں رندِ سخن پیشہ ہے لیکن گمنام
زینت اس دیرِ کہن کی ہے وہی خم آشام

ہو جسے بادۂ خسرو کی طلب آئے یہاں
کہ مرے پاس ہے باقی ابھی تہ جرعۂ جام

وقتِ تحریر جلا سوزِ دروں سے نامہ
ہو اگر حوصلہ قاصد میں تو حاضر ہے پیام

بومِ بے مایہ کو آزادیِ جاوید نصیب
ہر طرف اپنے ہما کے لئے اندیشۂ دام

تجھ کو محبوب ہے جو سادہ دلوں کی بخشش
پختہ کاری سے ہمیں بھی ہے یہی طمعِ خام

زلفِ پیچاں و رخِ یار کی آرائش سے
جانے کیا ہو گا مرے بختِ سیہ کا انجام

بن ترے جیتا ہوں اس درد کی شدت کو سمجھ
موت کیا چیز ہے، اک لمحہ، فقط اک ہنگام

کون کعبے میں عطا مجھ کو کرے جامِ نبیذ
اور قیمت کے عوض چاہے تو رکھ لے احرام

مئے افرنگ کے ساتھ آئے اگر حسنِ تتار
ہم کو بغداد رہے یاد نہ شہرِ بسطام

خاطرِ نازکِ دلدار پہ کیا گزرے گی
جب مری خواہشِ بے جا کا بڑھے گا ابرام

شعر غالب کا نہیں وحی، یہ تسلیم مگر
بخدا، تم ہی بتا دو، نہیں لگتا الہام؟

ہے عشق ہم کو، اس میں بھلا ننگ و نام کیا
ہم خاصگاں سے حجتِ دستورِ عام کیا

جانے ہے اس کے ساتھ جو خلوت میں مے پئے
ہوتے ہیں حور و کوثر و دارالسلام کیا

میرا علاج مے ہے کہ ہوں غم سے جاں بلب
بیمارِ غم سے ذکرِ حلال و حرام کیا

روزِ سیاہ سے نہ رہا رات کا خطر
قسمت میں ہو نہ صبح تو پھر خوفِ شام کیا

آتا ہے خیلِ مور لئے، نیک فال ہے
لایا ہے لعلِ شیریں سے قاصد پیام کیا

گفتی قفس خوش ست تواں بال و پر کشود بارے علاجِ خستگیِ بندِ دام چیست
نیکی زتست از تو نخواہیم مزدِ کار در خود بدیم کارِ تو ایم انتقام چیست

غالب اگر نہ خرقہ و مصحف بہم فروخت
پرسد چرا کہ نرخِ مئے لعل فام چیست

غبارِ طرفِ مزارم بہ پیچ و تابے ہست ہنوز در رگِ اندیشہ اضطرابے ہست
بہ بانگِ صور سر از خاک بر نمی دارم ہنوز در نظرم چشمِ نیم خوابے ہست
ز سردیِ نفسِ نامہ بر تواں دانست کہ نارسیدہ پیامِ مرا جوابے ہست
بہ ہرزہ جاں بہ غلط دادم و ندانستم کہ یار دیر پسندے و زود یابے ہست
نظر فروز ادا ہا بدشمن ارزانی بمن سپار اگر داغِ سینہ تا بے ہست
خود اوّلین قدحِ مے بنوش و ساقی شو کہ آخر از طرفِ تست گر حجابے ہست
مگر دہم جگرِ تشنہ را دلے بدروغ نشاں دہید براہش اگر سرابے ہست
ز سرد مہریِ ایّام نیستیم نژند کہ در خرابۂ ما روے آفتابے ہست

بہارِ ہند بود برشگال' ہاں غالب
دریں خزاں کدہ ہم موسمِ شرابے ہست

زمن گسستی و پیوند مشکل افتاد ست مرا مگیر بخونے کہ در دل افتادست
شگافی ار جگرِ ذرّہ نم بروں ندہد بہ وادئے کہ مرا پائے در گل افتادست
دریں روش بہ چہ امید دل تواں بستن میانۂ من و او شوق حائل افتادست

کنجِ قفس میں بال و پر آزاد تو ہوئے　　پر ہے علاجِ خستگیِ بندِ دام کیا

نیکی تمام تجھ سے ہے، کیا خواہشِ جزا　　اور ہے بدی بھی کارِ قضا، انتقام کیا

غالب اگر ہیں خرقہ و مصحف تجھے عزیز

مت پوچھیو ہے نرخِ مئے لعل فام کیا

غبارِ قبر میں ہے کیوں یہ پیچ و تاب ابھی　　رگِ خیال میں باقی ہے اضطراب ابھی

میں بانگِ صور پہ کیوں خاک سے اٹھاؤں سر　　مری نظر میں ہے وہ چشمِ نیم خواب ابھی

ہوا ہے یاس میں میرا ہی خط لئے واپس　　کہ نامہ بر کو ملا ہے یہی جواب ابھی

نہ جان دے کے بھی یہ بات ہم سمجھ پائے　　لگا ہے دیر پسندی میں زودیاب ابھی

نظر فروز ادا سے نواز غیروں کو　　مجھے ہے حسرتِ یک داغِ سینہ تاب ابھی

تو خود شراب کا اِک گھونٹ لے کے ساقی بن　　کہ تیری سمت سے باقی ہے کچھ حجاب ابھی

اسی بہانے دلِ تشنہ کو تسلی دوں　　کہ راہِ یار میں باقی ہے اک سراب ابھی

میں سردمہریِ ایّام سے نہیں مایوس　　چمک رہا ہے خرابے میں آفتاب ابھی

بہارِ ہند ہے برسات، دیکھیو غالب

ہوا ہی چاہتا ہے موسمِ شراب ابھی

جو تو نے توڑا اسے جوڑنا ہوا مشکل　　سوال مجھ سے نہ کر خون ہو گیا کیوں دل

جو چیرے تو جگرِ ذرہ، نم نہ پائے ذرا　　ہو مجھ سا سوختہ جاں جس زمیں میں پا در گل

لگا ئیں دل تو بھلا اس سے کس امید پہ ہم　　کہ شوقِ وصل ہے اب اپنے درمیاں حائل

به صبر کم نیم، امّا عیارِ ایوبی بقدرِ آنکه گرفتند کامل افتادست
چو اندر آئینۂ با خویش لابہ ساز شوی زخود بجوئے کہ ماراچہ در دل افتادست

حریفِ ما ہمہ بے بذلہ مے خورد غالب
مگر ز خلوتِ زاہد بہ محفل افتادست

ظہورِ بخششِ حق را ذریعہ بے سببی ست وگرنہ شرمِ گنہ در شمارِ بے ادبی ست
زگیر و دار چہ غم، چوں بہ عالمے کہ منم ہنوز قصۂ حلاّج حرفِ زیرِ لبی ست
رموزِ دیں نہ شناسم درست و معذورم نہادِ من عجمی و طریقِ من عربی ست
نشاطِ جم طلب از آسماں، نہ شوکتِ جم قدح مباش ز یاقوت بادہ گر عنبی ست
بالتفات نیرزم در آرزو چہ نزاع نشاطِ خاطرِ مفلس ز کیمیا طلبی ست
بود بہ طالعِ ما آفتاب تحت الارض فروغِ صبحِ ازل در شرابِ نیم شبی ست
نہ ہم پیالگیِ زاہداں بلائے بود خوش ست گرمے بےغش خلافِ شرعِ نبی ست
ہر آنچہ در نگری جز بہ جنس مائل نیست عیارِ بے کسیِ ما شرافتِ نسبی ست
کسے کہ از تو فریبِ وفا خورد داند کہ بے وفائیِ گل در شمارِ بوالعجبی ست

میانِ غالب و واعظ نزاع شد ساقی
بیا بہ لابہ کہ ہیجانِ قوتِ غضبی ست

دل برد و حق آنست کہ دلبر نتواں گفت بیداد تواں دید و ستمگر نتواں گفت

میں صبر میں نہیں کم، پر عیارِ ایوبی	نظر میں اہلِ جہاں کی ٹھہر گیا کامل
جب آئینے میں ہے وہ خود اپنے عکس پر شیدا	دوچار کیسی قیامت سے ہے ہمارا دل

شراب پیتا ہے غالب حریفِ بے بذلہ
ہوا ہے خلوتِ زاہد سے بزم میں شامل

ظہورِ بخششِ حق کا بہانہ بے سببی	حذر، ہے شرمِ گنہ کا شمار بے ادبی
مرے جہاں میں نہیں گیرو دار کا کچھ غم	ابھی ہے قصۂ منصور حرفِ زیرِ لبی
رموزِ دیں سے میں واقف نہیں کہ ہوں معذور	نہاد میری عجم ہے، طریق ہے عربی
نشاطِ جم ہی طلب کیجئے نہ شوکتِ جم	کہ جامِ لعلیں سے خوشتر ہے بادۂ عنبی
نہ التفات سے سودائے آرزو کرنا	نشاطِ خاطرِ مفلس ہے کیمیا طلبی
ہے میرے بخت میں گو آفتاب زیرِ زمیں	فروغِ صبحِ ازل ہے شرابِ نیم شبی
جو ہم پیالہ ہو زاہد تو مے کشی آفت	خوشا کہ ہے مئے صافی خلافِ شرعِ نبی
سب اپنی جنس پہ مائل ہیں، مجھ کو کیوں پوچھیں	یہ بے کسی ہے دلیلِ شرافتِ نسبی
ترے فریبِ وفا کے مقابلے میں صنم	ہے بیوفائی گل کا شمار بوالعجبی

ہوا ہے غالب و واعظ میں معرکہ ساقی
پلا کے لطف سے کر دفعِ قوتِ غضبی

دل چھین لے، لیکن اسے دلبر نہ کہا جائے	بیداد کرے یوں کہ ستمگر نہ کہا جائے

در رزم گہ اش ناچخ و خنجر نتواں برد
در بزم گہ اش بادہ و ساغر نتواں گفت

رخشندگیِ ساعد و گردن نتواں جست
زیبندگیِ یارہ و پرگر نتواں گفت

پیوستہ دہد بادہ و ساقی نتواں خواند
ہموارہ تراشد بُت و آزر نتواں گفت

از حوصلہ یاری مطلب صاعقہ تیز است
پروانہ شو اینجا ز سمندر نتواں گفت

ہنگامہ سرآمد چہ زنی دم ز تظلّم
گر خود ستمے رفت بہ محشر نتواں گفت

در گرم روی سایہ و سرچشمہ نجوییم
با ما سخن از طوبیٰ و کوثر نتواں گفت

آں راز کہ در سینہ نہانست نہ وعظ است
بر دار تواں گفت و بمنبر نتواں گفت

کارے عجب افتاد بدیں شیفتہ ما را
مومن نبود غالب و کافر نتواں گفت

نشاطِ معنویان از شراب خانۂ تست
فسونِ بابلیاں فصلے از فسانۂ تست

بہ جام و آئینہ حرفِ جم و سکندر چیست
کہ ہر چہ رفت بہر عہد در زمانۂ تست

فریبِ حسنِ بتاں پیشکش اسیرِ تو ایم
اگر خطست و گر خال، دام و دانۂ تست

ہم از احاطۂ تست ایں کہ در جہاں ما را
قدم بہ بت کدہ و سر بر آستانۂ تست

سپہر را تو بتاراجِ ما گماشتۂ
نہ ہر چہ دزد ز ما برد در خزانۂ تست

مراچہ جرم گر اندیشہ آسماں پیماست
نہ تیز گامیِ توسن ز تازیانۂ تست

کماں ز چرخ و خدنگ از بلا و پر ز قضا
خدنگ خوردۂ ایں صید گہ نشانۂ تست

سپاسِ جودِ تو فرضست آفرینش را
دریں فریضہ دو گیتی ہماں دوگانۂ تست

کیا رزم گہِ یار میں لے جایئے خنجر
اس بزم میں تو بادہ و ساغر نہ کہا جائے

تابانی ہے گردن میں کلائی میں نزاکت
افسانۂ زیبائی دلبر نہ کہا جائے

ہر لحظہ پلا کے بھی نہ کہلائے وہ ساقی
بُت لاکھ تراشے اسے آزر نہ کہا جائے

پروانہ صفت جل کہ لپک تیز ہے اتنی
ہر گز سخنِ تابِ سمندر نہ کہا جائے

فریاد کا کیا ذکر کہ ہنگامہ ہوا ختم
جب خود پہ ستم ہو سرِ محشر نہ کہا جائے

ہے گرم روی سایہ و سرچشمہ سے بیزار
ہم سے سخنِ طوبیٰ و کوثر نہ کہا جائے

اک راز ہے سینے میں کوئی وعظ نہیں ہے
سولی پہ کہیں، برسرِ منبر نہ کہا جائے

کس شیفتہ سے مجھ کو پڑا سابقہ یارو
مومن نہیں غالب، اسے کافر نہ کہا جائے

نشاطِ اہلِ حقیقت شراب خانہ ترا
فسونِ قصۂ بابل بس اک فسانہ ترا

بہ جام و آئینہ ذکرِ جم و سکندر کیا
کہ سب زمانوں کا حاصل ہے یہ زمانہ ترا

فریبِ حسنِ بتاں، ہم اسیر ہیں تیرے
یہ خط، یہ خال، یہ گیسو ہیں دام و دانہ ترا

ترا احاطہ ہے اس طرح کفر وایماں پر
مقیمِ دیر کا مسجود آستانہ ترا

فلک کو تو نے ہی تاراج پہ کیا مامور
جو اس نے لوٹا، کیا اس سے پُر خزانہ ترا

ہو فکر آسماں پیما تو کیا قصور مرا
کہ وجہِ تیزیٔ توسن ہے تازیانہ ترا

ہے کس کے ہاتھ میں تیرِ بلا، کمانِ قضا؟
ہر ایک صیدِ زبوں ہے یہاں نشانہ ترا

ہے تیرے لطف کا احسان آفرینش پر
سپاس و شکر دوگیتی مگر دوگانہ ترا

تو اے کہ محوِ سخن گسترانِ پیشینی
مباش منکرِ غالب کہ در زمانۂ تست

شنیدہ ای کہ بہ آتش نسوخت ابراہیم
ببیں کہ بی شرر و شعلہ می توانم سوخت

ز گل فروش نالم کز اہلِ بازارست
تپاکِ گرمیِ رفتارِ باغبانم سوخت

محو خودست لیک، نہ چوں من، دریں چہ بحث
او چوں خودے نداشتہ دشمن، دریں چہ بحث

افسانہ گوست غیر، چہ مہرافگنی برو
غم برنتابد ایں ہمہ گفتن، دریں چہ بحث

بے پردہ شو ز غصہ و الزام دِہ مرا
گفتم کہ گل خوشست بہ گلشن، دریں چہ بحث

بت را بہ جلوہ دیدہ و بر جائے ماندہ است
گر بحث می کنم بہ برہمن، دریں چہ بحث

بعد از حزیں کہ رحمتِ حق بر روانش باد
ما کردہ ایم پرورشِ فن، دریں چہ بحث

او جستہ جستہ غالب و من دستہ دستہ ام
عرفی کسیست لیک نہ چوں من، دریں چہ بحث

نقشم گرفتہ دوست، نمودن چہ احتیاج
آئینۂ مرا بہ زدودن چہ احتیاج

با پیرہن ز ناز فرو میرود بدل
بندِ قبائے دوست کشودن چہ احتیاج

اسیرِ شعرِ سلف کیوں ہے منکرِ غالب
وہ نغمہ سنج ملا ہے جسے زمانہ ترا

سنو جہاں نہ جلے آگ سے بھی ابراہیم — جلانا واں مجھے بے آتش و دخاں ہے ستم
نہ گل فروش سے اُلجھو کہ کاروباری ہے — تپاکِ گرمیِ رفتارِ باغباں ہے ستم

مجھ سا نہیں وہ خود میں مگن، اس میں بحث کیا — بے دردِ عشق کیسی لگن، اس میں بحث کیا
باتیں بنائے غیر تو کیا اس کا اعتبار — کب اہلِ غم کو تابِ سخن، اس میں بحث کیا
غصے میں دے نقاب الٹ، جب میں یہ کہوں — ہے رنگِ گل بہارِ چمن، اس میں بحث کیا
گر جاتا بُت کو دیکھ کے قدموں میں برہمن — ہوتی گر اس کے دل میں لگن، اس میں بحث کیا
رحمت خدا کی روحِ حزیں پر کہ جس کے بعد — ہم نے سجائی بزمِ سخن، اس میں بحث کیا

عرفی کہیں کہیں ہے تو غالب کہاں نہیں
واں جھلکیاں، یہ جلوۂ فن، اس میں بحث کیا

ہے یار میرا نقش، بتانے کی احتیاج! — عکس آئینے میں اس کا دکھانے کی احتیاج!
جب پیرہن سمیت سما جائے دل میں وہ — پھر کیا قبائے یار ہٹانے کی احتیاج

چون می تواں بہ رہگذرِ دوست خاک شد | بر خاکِ راہ ناصیہ سودن چہ احتیاج
بنگر کہ شعلہ از نفسم بال می زند | دیگر ز من فسانہ شنودن چہ احتیاج
ازخود بذوقِ زمزمہٗ می توان گذشت | چندیں ہزار پردہ سرودن چہ احتیاج
در دستِ دیگریست سفید و سیاہ ما | با روز و شب بہ عربدہ بودن چہ احتیاج
تا لب کشودہٗ مزہ در دل دویدہ است | بوسِ لبِ ترا بہ ربودن چہ احتیاج
بفگن در آتش و تب و تابم نظارہ کن | غمنامہٗ مرا بہ کشودن چہ احتیاج
آن کن کہ در نگاہِ کساں محتشم شوی | بر خویش ہم ز خویش فزودن چہ احتیاج
خواب ست وجہ ہمتِ آوارہ بینشاں | محوِ رخِ ترا بہ غنودن چہ احتیاج

تابِ سمومِ فتنہ گرانیست غالبا
کشتِ امید را بہ درودن چہ احتیاج

در پردہ شکایت ز تو داریم و بیاں ہیچ | زخمِ دلِ ما جملہ دہانست و زباں ہیچ
اے حسن گر از راست نہ رنجی، سخنے ہست | ناز ایں ہمہ یعنی چہ، کمر ہیچ و دہاں ہیچ
در راہِ تو ہر موج غباریست روانے | دل تنگ نگردم ز بر افشاندنِ جاں ہیچ
بر گریہ بیفزود ز دل ہرچہ فرو ریخت | در عشق بود تفرقہٗ سود و زیاں ہیچ
تن پروریِ خلق فزوں شد ز ریاضت | جز گرمیِ افطار ندارد رمضاں ہیچ
دنیا طلباں، عربدہ مفت ست بجوشید | آزادیِ ما ہیچ، و گرفتاریِ تاں ہیچ
پیمانہٗ رنگے ست دریں بزمِ بگردش | ہستی ہمہ طوفانِ بہارست خزاں ہیچ
عالم ہمہ مرآت وجودست، عدم چیست | تا کار کند چشم محیطست و کراں ہیچ

ہم خود ہی راہِ یار میں جب خاک ہو گئے
سر کو برائے سجدہ جھکانے کی احتیاج

ہے ہر نفس جب اپنا محبت سے شعلہ ریز
میرا فسانہ اس کو سنانے کی احتیاج

جب ایک ہی الاپ سے ہو جائیں ہوش گم
مطرب کو اتنے راگ سنانے کی احتیاج

اپنے سفید و سیہ کا مالک ہے کوئی اور
الزام روز و شب پہ لگانے کی احتیاج

کھلتے ہی ہونٹ دل میں اتر جائے جب مٹھاس
کیا لب سے تیرے بوسہ چرانے کی احتیاج

کر نذرِ آتش اس کو تب و تابِ دل کی دیکھ
کیا نامہ میرا پڑھنے پڑھانے کی احتیاج

کچھ کام ایسا کر کہ جہاں میں ہو محترم
کیا اپنا اعتبار بڑھانے کی احتیاج

آوارہ بینشوں کی طلب جلوہ ہائے خواب
کیا محوِ رخ کو سونے سلانے کی احتیاج

غالب سمومِ فتنہ قیامت سے کم نہیں
تخمِ گلِ امید لگانے کی احتیاج

در پردہ ہمیں تجھ سے شکایت ہے بیاں ہیچ
گو زخمِ دلِ زار دہن ہے پہ زباں ہیچ

ہو حسن کو گر ہیچ کا تحمل تو یہ پوچھوں
کس چیز پہ ہے ناز، کمر ہیچ، دہاں ہیچ

جاں بخش ہے گردِ رہِ جاناں کی ہر اک موج
سو بار بھی مرنے میں نہیں جاں کا زیاں ہیچ

کب دل میں لہو گریۂ خونیں سے ہوا کم
ہے عشق میں یہ وسوسۂ سود و زیاں ہیچ

تن پروریِ خلق ریاضت سے بڑھی اور
جز گرمیِ افطار نہ لایا رمضاں ہیچ

کچھ مال سے نقصاں، نہ یہاں ترک سے حاصل
آزادی مری ہیچ، ترا بندِ گراں ہیچ

اک ساغرِ رنگیں کی گردش سے جہاں میں
ہستی ہمہ طوفانِ بہاراں ہے، خزاں ہیچ

عالم ہمہ آئینۂ ہستی ہے، عدم کیا
تاحدِ نظر بحر کا جلوہ ہے، کراں ہیچ

در پردۂ رسوائی منصور نوائیست رازت نشنودیم ازیں خلوتیاں ہیچ

غالب ز گرفتاریِ اوہام بروں آی

باللہ جہاں ہیچ و بد و نیکِ جہاں ہیچ

آہے بہ عشقِ فاتحِ خیبر کنیم طرح در گنبدِ سپہر مگر در کنیم طرح

در فصلِ دے کہ گشتہ جہاں زمہریر ازو بنشیں کہ آبِ گردشِ ساغر کنیم طرح

تاچند نشنوی تو و ما حسبِ حالِ خویش افسانہ ہائے غیر مکرّر کنیم طرح

مارا زبوں مگیر، گر از پا در آمدیم از ما عجب مدار گر از سر کنیم طرح

ہوئے بچرخ دادنِ گردون برآوریم عیشے بداغ کردنِ اختر کنیم طرح

خود را بشاہدی پرستیم زیں سپس در راہِ عشق جادۂ دیگر کنیم طرح

از داغِ شوق پردہ نشینے نشاں دہیم در زخمِ رشک روزنۂ در کنیم طرح

از تار و پودِ نالہ نقابے دہیم ساز وز دودِ سینہ زلفِ معنبر کنیم طرح

برگِ حلل ز شعلہ و آذر بہم نہیم پیرایہ از شرارہ و اخگر کنیم طرح

از زخم و داغ لالہ و گل در نظر کشیم از کوہ و دشت حجلہ و منظر کنیم طرح

از سوز و ساز محرم و مطرب کنیم جمع از خار و خارہ بالش و بستر کنیم طرح

آئینِ برہمن بہ نہایت رسانده ایم

غالب بیا کہ شیوۂ آزر کنیم طرح

اک نعرہ ہوا باعثِ رسوائی منصور ان خلوتیوں نے نہ دیا تیرا نشاں ہیچ

غالب یہ گرفتاریِ اوہام کہاں تک

واللہ جہاں ہیچ ، بد و نیکِ جہاں ہیچ

یوں مست ہو کے نعرۂ حیدر لگائیں ہم گنبد میں نہ سپہر کے اک در بنائیں ہم

سردی نے زمہریر کیا ہے جہان کو آ بیٹھ دَورِ بادہ و ساغر چلائیں ہم

تجھ پہ گراں ہے دل کی حکایت تو اپنی بات قصے میں دوسروں کے مکرّر سنائیں ہم

کیا غم ہے راہِ یار میں گر پاؤں رہ گئے اب سر کے بل ہی راستہ چل کر دکھائیں ہم

گردوں کو ایک نعرے سے لے آئیں رقص میں عیش وطرب سے پھر دلِ اختر جلائیں ہم

چاہیں پھر اپنے آپ کو محبوب کی طرح یوں عاشقی میں جلوۂ دیگر دکھائیں ہم

خود اپنے داغِ شوق کو پردہ نشیں کہیں زخمِ جگر کو روزنۂ در بنائیں ہم

نالے کے تار و پو سے سجائیں نقابِ رخ دودِ فغاں سے زلفِ معنبر بنائیں ہم

شعلے سے اک لباس کریں قطع بہرِ تن سلمے کی جگہ پھر گلِ اخگر لگائیں ہم

ہوں زخم و داغ اپنے لئے تختۂ چمن دشت و جبل کو حجلہ و منظر بنائیں ہم

ہوں سوز وساز اپنے لئے مطرب وندیم پتھر کا تکیہ، خاروں کا بستر بچھائیں ہم

آئینِ بُت پرستی کی تکمیل کر چکے

غالب کمالِ صنعتِ آزر دکھائیں ہم

اے جمالِ تو بتاراجِ نظرہا گستاخ — وے خرامِ تو بپامالیِ سرہا گستاخ

طوطیاں در شکر آیند بہ غالب کاو راست

لبے از نطق بہ تاراجِ شکرہا گستاخ

بہ بندِ پرسشِ حالم نمی توان افتاد — تواں شناخت ز بندے کہ بر زباں افتاد

من آں نیم کہ بتانم کنند دل جوئی — خوشم ز بخت کہ دلدار بدگماں افتاد

حدیثِ مے بہ دف و چنگ درمیاں داریم — کنوں کہ کار بہ شیخِ نہفتہ داں افتاد

شب ارچہ با تو دعویٰ نما نمائی داشت — بہ روز طشتِ مہ از بامِ آسماں افتاد

نفس شرارہ فشانست و نطق شعلہ درو — زحرفِ خوے کہ باز آتشم بجاں افتاد

فغانِ من دلِ خلق آب کردٔ ورنہ ہنوز — نگفتہ ام کہ مرا کار با فلاں افتاد

غریبم و تو زبان دانِ من نۂ غالب — بہ بندِ پرسشِ حالم نمی تواں افتاد

ہم از تصرفِ بیتابیِ زلیخا بود — بچاہِ یوسف اگر راہِ کارواں افتاد

فرو نیامدمٔ از بسکہ بیخودم بطلب — ہزار بار گزارم بہ آشیاں افتاد

بکوئے یار ز پا افتم و کنم فریاد — بداں دریغ کہ دانند ناگہاں افتاد

❁

مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند — شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند

رخ کشودند و لب ہرزہ سرایم بستند — دل ربودند و دو چشمِ نگرانم دادند

سوخت آتشکدہ، ز آتش نفسم بخشیدند — ریخت بتخانہ، ز ناقوس فغانم دادند

تیرا انداز ہے تاراجِ نظر میں گستاخ
اور تری چال ہے پامالیِ سر میں گستاخ

راز طوطی کی شکر ریز نوا کا کیا ہے
نطقِ غالب کہ ہے تاراجِ شکر میں گستاخ

❁

خیالِ پرسشِ احوال رائگاں پایا
جو فرطِ غم سے مجھے اس نے بے زباں پایا

وہ اور ہوں گے جو رکھتے ہیں شوقِ لطفِ بتاں
ہمیں یہ ناز کہ دلدار بدگماں پایا

دف و رباب سے کیا عارِ مے پرستی میں
کہ شیخِ وقت کو ہم نے نہفتہ داں پایا

ہوا جو ناز سے شب کو ترے مقابل چاند
تو دن کے وقت نہ اس کا کوئی نشاں پایا

نفس کو آتشِ غم، نطق کو دیے شعلے
مزاجِ یار کو ہم نے شرر فشاں پایا

گداز دل ہوئے میری فغاں سے پر نہ کہا
کہ مجھ پہ کیسی قیامت غمِ فلاں گذرا

نہ سمجھے بات ہی غالب تو کیا کرے پرسش
غریبِ شہر نے کب کوئی ہم زباں پایا

ذرا تصرّفِ بیتابیِ زلیخا دیکھ
کہ چاہِ یوسفِ کنعاں سے کارواں گذرا

طلب کی بیخودی میں کبھی نہ اُترا میں
نظر سے گرچہ کئی بار آشیاں گذرا

ہوں کوئے یار میں خودگر کے اس طرح نالاں
کہ جیسے حادثہ مجھ پہ یہ ناگہاں گذرا*

❁

شمع گل کر کے سحر نور فشاں دی مجھ کو
اور اک طلعتِ خورشید نشاں دی مجھ کو

اک جھلک ایسی دکھائی کہ کیا مہر بلب
دل کو یوں چھینا کہ چشمِ نگراں دی مجھ کو

بھسم آتشکدہ کر کے، مجھے آتش بخشی
ہوا ناقوس جو خاموش، فغاں دی مجھ کو

* نوٹ: اوپر کے چار اشعار میں مفہوم ادا کرنے کے لیے ردیف کی تبدیلی ضروری تھی۔

گہر از رایتِ شاہانِ عجم برچیدند
بعوض خامۂ گنجینہ فشانم دادند

افسر از تارکِ ترکانِ پشنگی بردند
بسخن ناصیۂ فرِّ کیانم دادند

گوہر ا زتاج گسستند و بدانش بستند
ہرچہ بردند بہ پیدا ، بہ نہانم دادند

ہرچہ در جزیہ ز گبراں مئے ناب آوردند
بہ شبِ جمعۂ ماہِ رمضانم دادند

ہرچہ از دست گہ پارس بہ یغما بردند
تا بنالمٔ ہم ازاں جملہ زبانم دادند

دل زغم مردہ و من زندہؔ ہمانا ایں مرگ
بود ار زندہ بہ ماتم کہ امانم دادند

ہم ز آغاز بہ خوف و خطرستم غالب
طالع از قوس و شمار از سرطانم دادند

گویم سخنے گرچہ شنیدن نشناسد
صبح است شمم را کہ دمیدن نشناسد

از بند چہ بکشاید و از دام چہ خیزد
مائیم و غزالے کہ رمیدن نشناسد

گوہر چہ شکایت کند از بے سروبالی
مائیم و سرشکے کہ چکیدن نشناسد

ساقی چہ شگرفی کند و بادہ چہ تندی
خوں باد دماغے کہ رسیدن نشناسد

مالذتِ دیدار ز پیغام گرفتیم
مشتاقِ تو دیدن ز شنیدن نشناسد

بے پردہ شو از ناز و میندیش کہ مارا
چوں آئینہ چشمے ست کہ دیدن نشناسد

شوقم مئے گلگوں بہ سبو میزند امشب
پیمانہ ز ساقی طلبیدن نشناسد

با لذتِ اندوہِ تو در ساختہ غالب
گوئی ہمہ دل گشت و تپیدن نشناسد

سب گہر رایتِ شاہانِ عجم کے چن کر اک قلم، نادر و گنجینہ فشاں دی مجھ کو

تھے جو ترکانِ پشنگی کے وہ افسر لوٹے سر پہ رکھ تاجِ سخن فرِ کیاں دی مجھ کو

لوٹ کے تاج کے گوہر، مری دانش میں جڑے اور خاموشی سے یہ نقدِ گراں دی مجھ کو

وہ مئے ناب جو ہاتھ آئی بطورِ جزیہ بہ شبِ جمعۂ ماہِ رمضاں دی مجھ کو

فارس کی ساری متاع لوٹ کے اس کے بدلے بہرِ فریاد فقط ایک زباں دی مجھ کو

دلِ مردہ پہ رکھا زندہ، ستم کی حد ہے ماتمِ مرگ کی خاطر ہی اماں دی مجھ کو

روزِ اول سے مجھے خوف و خطر ہے غالب
شومیِ بخت بہ قوس و سرطاں دی مجھ کو

وہ شعر ہوں جو عصر سمجھنے سے ہے قاصر یا صبحِ شبِ غم کہ نکلنے سے ہے قاصر

ہے بند سے کیا فائدہ، کیا دام کی حاجت خود آ ہو اگر بھاگ نکلنے سے ہے قاصر

کیا بے پر و بالی کا گلہ میرے گہر کو ہوں آنکھ کا موتی کہ ٹپکنے سے ہے قاصر

گو بادہ بہت تند ہے، ساقی بھی قیامت کیا کیجے کہ میخوار بہکنے سے ہے قاصر

پیغام میں ہے لذّتِ دیدار کا عالم دل ان میں کوئی فرق سمجھنے سے ہے قاصر

بے پردگی کا خوف تجھے کیا کہ مری آنکھ ہے آئینہ جو عکس سمجھنے سے ہے قاصر

لبریز کیا شوق نے یوں میرے سبو کو اب ہاتھ کوئی جام اٹھانے سے ہے قاصر

غالب ترے غم سے ہوا مانوس کچھ ایسا
وہ درد کی شدت میں تڑپنے سے ہے قاصر

عاشق چوں گفتیش کہ بروٗ زود می رود
نازم بخواجگی غضب آلود می رود

امشب بہ بزمِ دوست کسے نامِ ما نبرد
گوئی سخن ز طالعِ مسعود می رود

از نالہ ام مرنج کہ آخر شدست کار
شمعِ خموشم و ز سرم دود می رود

شادم بہ بزمِ وعظ کہ رامش اگرچہ نیست
بارے حدیثِ چنگ و نے و عود می رود

فردوس جوئے عمر بہ وسواس دادہ را
سرمایہ نیز در ہوسِ سود می رود

نخوت نگر کہ می خلد اندر دلش ز رشک
حرفے کہ در پرستشِ معبود می رود

رشکِ وفا نگر کہ بہ دعویٰ گہٗ رضا
ہرکس چگونہ درپئے مقصود می رود

فرزند زیرِ تیغِ پدر می نہد گلو
گر خود پدر در آتشِ نمرود می رود

غالب خوش است فرصتِ موہوم و فکرِ عیش
تارے کہ نیست در سرِ این پود می رود

نادان صنمِ من روشِ کار نداند
بر ہر کہ کند رحم سر از بار نداند

بے دشنہ و خنجر نبود معتقدِ زخم
دل ہائے عزیزاں بہ غم افگار نداند

بر تشنہ لب بادیہ سوزد دلش از مہر
اندوہِ جگر تشنۂ دیدار نداند

گویم سخن از رنج و بہ راحت کندش طرح
روزِ سیہ از سایۂ دیوار نداند

عنوانِ ہواداریِ احباب نبیند
پایانِ ہوسناکیِ اغیار نداند

دشوار بود مردن و دشوار تر از مرگ
آنست کہ من میرم و دشوار نداند

فصلے ز دلِ آشوبِ درماں بسرائید
تا چند بخود پیچم و غمخوار نداند

عاشق کو تو نے بزم سے اٹھوا دیا تو وہ
انداز خواجۂ غضب آلود میں گیا

مجھ بد گہر کا نام تک آیا نہ بزم میں
سب وقت ذکرِ طالعِ مسعود میں گیا

کیا رنج میرے نالے کا اک شمع کشتہ ہوں
سرمایہ غم کا پیچ و خمِ دود میں گیا

خوش ہوں کہ بزمِ وعظ میں زورِ کلامِ شیخ
ذکرِ شراب و چنگ و گل و عود میں گیا

زاہد نے عمر کھوئی امیدِ بہشت میں
سرمایہ سب کا سب ہوسِ سود میں گیا

نخوت تو دیکھ دل میں کھٹکتا ہے یار کے
وہ وقت جو پرستشِ معبود میں گیا

رشکِ وفا تو دیکھ کہ مقتل میں عشق کے
ہر اک تلاشِ گوہرِ مقصود میں گیا

فرزند نے جھکایا جو سر اپنا زیرِ تیغ
بارے پدر بھی آتشِ نمرود میں گیا

یہ تانے بانے عیش کے غالب کہاں تلک
وہ صرف تارِ وہم تھا جو پود میں گیا

نادانی میں دلبر روشِ کار نہ جانے
جب لطف کرے فرقِ سر و بار نہ جانے

بے دشنہ و خنجر وہ نہیں معتقدِ زخم
ہو چھلنی جو دل غم سے تو افگار نہ جانے

ہے تشنہ لبِ بادیہ کا غم اسے بے حد
اندوہِ جگر تشنۂ دیدار نہ جانے

میں بات کروں غم کی تو سمجھ اسے راحت
وہ فرقِ شب و سایۂ دیوار نہ جانے

عنوانِ ہواداریِ احباب نہ دیکھے
پایانِ ہوسناکیِ اغیار نہ جانے

دشوار سہی موت پہ ہے اس سے بھی دشوار
مر جاؤں تو وہ مرنے کو دشوار نہ جانے

ہاں کچھ تو دلِ آشوبیِ درماں کا کرو ذکر
یہ کیا کہ مرا درد ہی غمخوار نہ جانے

گردم سرِ آوازۂ آزادگیِ خویش　　صد رہ نہدم بند و گرفتار نداند

پیمانہ برآں رند حرام است کہ غالب
در بیخودی اندازۂ گفتار نداند

باید ز مے ہر آئینہ پرہیز گفتہ اند　　آرے دروغِ مصلحت آمیز گفتہ اند

فصلے ہم از حکایتِ شیریں شمردہ ایم　　آں قصہ شکر کہ بہ پرویز گفتہ اند

خوں ریختن بہ کوئے تو کردارِ چشمِ ماست　　مردم ترا برائے چہ خوں ریز گفتہ اند

گویم ز سوزِ سینہ و گوید کہ ایں ہمہ　　تا خود نگشتہ آتشِ دل تیز گفتہ اند

نشگفت دل ز یادِ تو گوئی دروغ بود　　از نوبہار آنچہ بہ پائیز گفتہ اند

گفتا سخن ز بے سر و پایاں نہ زیرکی ست　　با قیس راہ نوردیِ شبدیز گفتہ اند

نازے بہ صد مضایقہ، عجزے بہ صد خوشی　　گر از تو گفتہ اند، ز ما نیز گفتہ اند

غالب ترا بہ دیر مسلماں شمردہ اند
آرے دروغِ مصلحت آمیز گفتہ اند

صحبت، خوش بود قدحے بر شراب زد　　یاقوتِ بادہ برفوۂ آفتاب زد

تا خاکِ کشتگانِ فریبِ وفائے کیست　　کاندر ہزار مرحلہ موجِ سراب زد

رنگے کہ در خیالِ خود اندوختم ز دوست　　تا جلوہ کرد چشمکِ برقِ عتاب زد

گفتم گرہ ز کارِ دل و دیدہ باز کن　　از جبہہ ناکشودہ بہ بندِ نقاب زد

ہے شہرۂ آزادہ روی خوب کہ مجھ کو — وہ دام میں لا کے بھی گرفتار نہ جانے

پیمانہ حرام اس پہ بھلا کیوں نہ ہو غالب
جو نشے میں اندازۂ گفتار نہ جانے

کہتے ہیں سب شراب سے پرہیز چاہیے — ہاں اک دروغِ مصلحت آمیز چاہیے
شکر فشانیِ لبِ شیریں کے باب میں — اہلِ جہاں کو قصۂ پرویز چاہیے
ہے تجھ پہ خوں بہانے کا الزام ناروا — خود میرے غم کو دیدۂ خوں ریز چاہیے
آہوں کو سوزِ خام پہ محمول کر کے وہ — کہتا ہے مجھ سے آتشِ دل تیز چاہیے
دل تیری یاد سے نہ شگفتہ ہوا تو کیا — ہم کو بہار صورتِ پائیز چاہیے
اے جان ہم ہیں بے سروساماں تو عیب کیا — کب قیسِ رہ نورد کو شبدیز چاہیے
واں ناز سے گریز ہے یاں عجز کا وفور — فرق اک میانِ شیریں و پرویز چاہیے

غالب بنے ہیں جا کے مسلمان دیر میں
ہاں اک دروغِ مصلحت آمیز چاہیے

ہاں وقتِ صبح ہاتھ ہو جامِ شراب پر — یاقوتِ بادہ جڑ، فوۂ آفتاب پر
یہ خاکِ کشتگاں فریبِ وفا نہ ہو — رہ رہ کے ہے گماں مجھے موجِ سراب پر
میرے خیال نے جو سجائی تھی بزمِ دوست — قرباں ہوئی وہ چشمکِ برقِ عتاب پر
ماتھے کے بل سے ہم نے طلب کی کشودِ کار — اتری گرہ جبین سے بندِ نقاب پر

گر ہوشِ ما بساطِ ادائے خرام نیست — نقشے تواں بہ صفحۂ دیبائے خواب زد
غم مشرباں بہ چشمۂ حیواں نمی دہند — موجے کہ دشنہ در جگر از پیچ و تاب زد
غالبؔ خساں ز جہل حکیمش گرفتہ اند
بے دانشے کہ طعنہ بر اہلِ کتاب زد

دل نہ تنہا ز فراقِ تو فغاں ساز دہد — رفتنِ عکسِ تو از آئینہ آواز دہد
مغزِ جاں سوخت ز سودا و بہ کامِ تو ہنوز — زہرِ رسوائیِ ما چاشنیِ راز دہد
دل چو بیند ستم از دوست نشاط آغازد — شیشہ سازیست کہ تا بشکند آواز دہد
ہائے پرکاریِ ساقی کہ بہ اربابِ نظر — مے بہ اندازہ و پیمانہ بہ انداز دہد
اے کہ برخوانِ وصالِ تو قناعت کفرست — ہاں صلائے کہ مرا حوصلۂ آز دہد
ہر نسیمے کہ ز کوے تو بخاکم گذرد — یادم از ولولۂ عمرِ سبک تاز دہد
چوں ننازد سخن از مرحمتِ دہر بخویش
کہ برد عرفی و غالب بہ عوض باز دہد

چہ خیزد از سخنے کز درونِ جاں نبود — بریدہ باد زبانے کہ خونچکان نبود
نگفتہ ام ستم از جانبِ خداست، ولے — خدا بہ عہدِ تو بر خلق مہربان نبود
زمامِ ناقہ بدستِ تصرفِ شوقست — بہ سوئے قیس گرایش ز ساربان نبود
ز خویش رفتہ ام و فرصتے طمع دارم — کہ باز گردم و جز دوست ارمغان نبود

ہے گر بساطِ ہوش پہ آنے سے احتراز — لا نقشِ پا کو صفحۂ دیباۓ خواب پر
غم مشربوں کو چشمۂ حیواں سے کیا غرض — ہر زندگی نثارِ غمِ پیچ و تاب پر
کیوں کم سواد کہتے ہیں غالب اسے حکیم
جو طعنہ زن ہو مسلکِ اہلِ کتاب پر

دل کو فرقت میں تری وقفِ فغاں ساز ملے — ہجر میں ٹوٹ کے آئینے کو آواز ملے
میری بربادی کا کیا غم، مرے دلبر کو جسے — زہرِ رسوائی میں اک چاشنیِ راز ملے
نغمہ پرداز نہ ہو دل ستمِ دوست پہ کیوں — شیشہ وہ ساز ہے جو ٹوٹے تو آواز ملے
ہائے وہ ساقیِ پُرکار کہ جس کے ہاتھوں — مے بہ اندازہ و پیمانہ بہ انداز ملے
جب ترے وصل کی دعوت پہ قناعت ہے حرام — یوں صلا دے کہ مجھے حوصلۂ آز ملے
خاک پر میری جو گزرے ترے کوچے کی نسیم — یاد کو ولولۂ عمرِ سبک تاز ملے
ہو نہ کیوں نازِ سخن مرحمتِ دہر پہ جب
عوضِ عرفی کے اسے غالبِ طناز ملے

نہ ہو کہ شعر میں کربِ درونِ جاں نہ رہے — کٹے زباں جو ترے غم میں خونچکاں نہ رہے
ستم خدا نہیں کرتا مگر یہ خدشہ ہے — وہ تیرے دور میں خلقت پہ مہرباں نہ رہے
بسوئے قیس مڑے شوق کے تصرف سے — زمامِ ناقہ پہ جب دستِ ساربان نہ رہے
گزر کے خود سے یہی آرزو ہے جب لوٹوں — سوائے دوست کوئی اور ارمغاں نہ رہے

فروبرد نفسِ سردِ من جہنم را   اگر نشاطِ عطائے تو درمیان نبود
مراکہ لب بہ طلب آشنا نخواستۂ   روا مدار کہ شاہد ضمیردان نبود
بہ التفاتِ نگارم چہ جاے تہنیت ست   دعا کنید کہ نوعی ز امتحاں نبود
عجب بود سرِ ہم خوابیِ کسے غالب
مرا کہ بالش و بستر ز پرنیاں نبود

نقاب دار کہ آئینِ رہزنی دارد   جمالِ یوسفی و فرِ بہمنی دارد
وفائے غیر گرش دلنشیں شداست چہ غم   خوشم ز دوست کہ بادوست دشمنی دارد
بہ دلفریبیِ من گرم بحث وسودِ من است   نگاہِ تو بزبانِ تو ہم فنی دارد
بہ بادہ گر بودم میل شاعرم نہ فقیہ   سخن چہ ننگ ز آلودہ دامنی دارد
خوشم بہ بزم ز اکرامِ خویش وزین غافل   کہ می نماندہ و ساقی فروتنی دارد
نباشدش سخنے کش تواں بہ کاغذ برد   برو کہ خواجہ گہرہای معدنی دارد
بیاورید ، گر اینجا بود زبان دانے   غریبِ شہر سخن ہائے گفتنی دارد
مبارکست رفیق ار چنین بود غالب
ضیای نیرِ ما چشمِ روشنی دارد

حورِ بہشتی ز یاد آن بتِ کشمیر برد   بیمِ صراط از نہاد آن دمِ شمشیر برد
شبروِی غمزۂ صبر و دل و دین ربود   جان کہ ازو باز ماند، شحنۂ تقدیر برد

بجھا دوں میں نفسِ سردِ سے جہنم کو
نشاط تیری عطا کی جو درمیان نہ رہے

بلا سے عرضِ طلب سے ہوں میرے لب عاجز
نہ ہو کبھی کہ وہ دلبر ضمیر داں نہ رہے

ہو مہربان صنم تو یہی دعا کیجیے
دمِ وصال کوئی بیمِ امتحاں نہ رہے

کہاں وصال کہاں بوریہ نشیں غالب
یہ چاہتا ہے صنم زیب پرنیاں نہ رہے

نقاب دار کا آئینِ رہزنی دیکھو
جمالِ یوسفی و فرِ بہمنی دیکھو

نہ اس کی غیر سے چاہت کا ماجرا پوچھو
ہے اس کو دوست سے کس درجہ دشمنی دیکھو

سخن سے پہلے نظر کا پیام آتا ہے
نگاہِ یار و زباں کی یہ ہم فنی دیکھو

پیوں شراب تو شاعر ہوں میں، فقیہ نہیں
ہے عار کیا، مری آلودہ دامنی دیکھو

ہے آج رندوں کا اکرام کیسا ساقی کو
رہا نہ بادہ تو طرزِ فروتنی دیکھو

سخن صنم کا بھلا کب سمائے کاغذ میں
دہن سے رُلتے گہرہائے معدنی دیکھو

جو شہر میں کوئی سمجھے زباں تو لے آؤ
اک اجنبی کے سخن ہائے گفتنی دیکھو

اگر رفیق سخن فہم ہو مرا غالب
تو میرے نیرِ تاباں کی روشنی دیکھو

حور کو نسبت کہاں حسنِ بتِ کشمیر سے
ہے صراطِ حشر لرزاں، ناز کی شمشیر سے

جب کیے صبر و دل ودیں اس کے غمزے نے تبہ
جان کو پھر کیا بچاتے شحنۂ تقدیر سے

شوقِ بلندی گرائے پایۂ منصور جست　　حوصلۂ نارسا پے بسرِ تیر برد
زد نگہت بر دلم ' مخزنِ اسرار دید　　خواست کلیدش برد' طاقتِ تقریر برد
جنبشِ ابرو نبود از پی قتلم ضرور　　غمزہ ز بی طاقتی دست بشمشیر برد
عشق ز خاکِ درت سرمۂ بینش گرفت　　یاوہ درآمد ہوس نسخۂ اکسیر برد
با خودش افتادہ کار ' باک ز غالب مدار
ذوقِ فغانش ز دل ورزشِ تاثیر برد

تا چند بُلہوس می و عاشق ستم کشد　　کو فتنہ تا بداورِی ہم علم کشد
دشوار نیست چارۂ عیش گریز پائے　　دورِ قدح چو سلسلہ گر سربہم کشید
آنی کہ تابِ جذبۂ ذوقِ نگاہِ تو　　رنگ از گل و مے از رز وصید از حرم کشد
شوقم کہ روشناسِ دلِ نازنینِ تست　　کے منتِ نوشتن و نازِ قلم کشد
زشت آنکہ تار زحمتِ پشت و شکم رہد　　ہم رنج کارسازیِ پشت و شکم کشد
صہبا حلال زاہدِ شب زندہ دار را　　اما بشرطِ آنکہ ہمان صبحدم کشد
از تازگی ، بدھر مکرّر نمی شود
نقشے کہ کلکِ غالبِ خونین رقم کشد

ذوقش بہ وصل گر چہ زبانم ز کار برد　　لب در ہجومِ بوسہ ز پاپش نگار برد
تا خود بہ پردہ رہ ندھد کامجوی را　　در پردہ رخ نمود و دل از پردہ دار برد

شوقِ عالی کو تمنا تھی فرازِ دار کی
نارسا ہمت ہوئی گھائل مگر اک تیر سے

مخزنِ اسرارِ دل پر کیا پڑی تیری نظر
ہم ہوئے محروم اپنی طاقتِ تقریر سے

جنبشِ ابرو نہیں درکار میرے قتل کو
نازکی بے طاقتی اُلجھی ہے کیوں شمشیر سے

عاشقوں کو خاکِ در سے سرمۂ بینش ملا
تھی غرض اہلِ ہوس کو نسخۂ اکسیر سے

خود میں وہ اُلجھا ہوا ہے، آہِ غالب سے نہ ڈر
اب فغاں کی اس کا کیا رشتہ رہا تاثیر سے

کب تک ہوس پہ لطف رہے، عشق پہ ستم
اے فتنہ کر بلند بغاوت کا اک علم

مشکل نہیں ہے چارۂ عیشِ گریز پائے
سامانِ بادہ نوشی رہے گر سدا بہم

تیری کشش گلاب سے لے رنگ، رز سے مے
کھچ آئے صید چھوڑ کے خود مامنِ حرم

وہ رسم وراہ اس کے دل نازنیں سے ہے
ہم عرضِ شوق کرتے ہیں بے منتِ قلم

بدبخت ہے جو بھوک سے بچنے کے واسطے
افراطِ زر کی لت میں بنے بندۂ شکم

صہبا حلال زاہدِ شب زندہ دار کو
اس شرط پر کہ جام اُٹھائے وہ صبحدم

وہ نقش تازگی میں نظیر اپنی آپ ہے
غالب نے خونِ دل سے کیا ہو جسے رقم

اظہارِ شوق میں تھی زباں گرچہ شرمسار
بوسوں نے میرے دھو دیا رنگِ کفِ نگار

مطلب پرست پر ہوئی پردے سے راہ بند
پردے میں اُس کی دید سے مضطر ہیں پردہ دار

گفتند حور و کثر و دادند ذوقِ کار منعست نامِ شاہد و می آشکار برد

نعشِ مرا بسوز کم از برہمن نیم ننگِ نسوختن نتواں در مزار برد

گل چہرہ بر فروخت بدانساں کہ بارہا پروانہ را ہوس بسرِ شاخسار برد

مے داد و بذلہ جست مگر ابر و قلزمیم کاورد قطرہ و گہرِ شاہوار برد

تا فتنہ رازِ گردشِ چشمِ سیاہ گفت کینے کہ داشتم بدل از روزگار برد

نازم فریبِ صلح کہ غالب ز کوے تو

ناکام رفت و خاطرِ امیدوار برد

لبم از زمزمۂ یادِ تو خاموش مباد غیرِ تمثالِ تو نقشِ ورقِ ہوش مباد

ہوسِ چادرِ گل گر تہِ خاکم باشد خاکم از نقشِ کفِ پاے تو گلپوش مباد

وعدہ گرویدہ وفا طرہ پریشانے را یارب' امشب بدرازی خجل از دوش مباد

غیر گر دیدہ بدیدارِ تو محرم دارد فارغ از اندہِ محرومیِ آغوش مباد

ہر کرا رخت نمازی نبود از نمِ مے جاے در حلقۂ رندانِ قدح نوش مباد

رہروِ بادیۂ شوق سبک سیرانند بارِسر نیز درین مرحلہ بر دوش مباد

ہمہ گر میوۂ فردوس بخوانت باشد

غالب ' آن انبۂ بنگالہ فراموش مباد

صاحب دل است و ناموزعشقم بہ ساماں خوش نکرد آشوبِ پیدا ننگِ او' اندوہِ پنہاں خوش نکرد

ذوقِ عمل میں شاہد و مے کی طلب کا راز
ہے ذکرِ حور و موجۂ کوثر سے آشکار

کیا کم ہوں برہمن سے، جلا میری نعش کو
دفنِ جسد سے کفر نہ ہو میرا شرمسار

چہرے پہ گل کے، شمع کے شعلوں کی ہے لپک
پروانہ بیقرار چلا سوئے شاخسار

اک شعرِ نغز قیمتِ ہر جرعۂ شراب
قطرے کے بدلے دیتے ہیں ہم دُرِ شاہوار

فتنہ کسی کی گردشِ چشمِ سیہ سے ہے
فارغ ہوا ہے شکووں سے یہ کہہ کے روزگار

غالب فریبِ لطف نہ کھائے تو کیا کرے
ناکام ہو کے رکھتا ہے خاطر امیدوار

اب کبھی زمزمۂ شوق سے خاموش نہ ہو
جز تری شکل کے، نقشِ ورقِ ہوش نہ ہو

ہوسِ چادرِ گل ہو جو تہِ خاک مجھے
قبر نقشِ کفِ پا سے ترے گلپوش نہ ہو

وعدہ ایفا جو کرے یارِ پریشاں کاکل
تو درازی میں شبِ وصل کم از دوش نہ ہو

غیر کی آنکھ ترے جلوے کی محرم ہو اگر
دور دل سے غمِ محرومیِ آغوش نہ ہو

جس نے سجادہ نہ رنگین کبھی مے سے کیا
شاملِ حلقۂ رندانِ قدح نوش نہ ہو

چاہتے ہیں جو سبک سیر ہیں اس منزل کے
بارِ گردن بھی تری رہ میں سرِ دوش نہ ہو

ہوں میسر تجھے گو خلد کے میوے غالب
پھر بھی وہ انبۂ بنگالہ فراموش نہ ہو

صاحب دل و پُر تمکنت، کب غم کے ساماں سے ہو خوش
آشوبِ ظاہر کو سہے نہ دردِ پنہاں سے ہو خوش

آں خود بہ بازی می برد، دیں را و جوی نشمرد — بنمودمش دیں خندہ زد، آوردمش جاں، خوش نکرد

فریاد زاں شرمندگی کارند چوں در محشرم — گویند اینک خیرہ سر، کز دوست فرماں خوش نکرد

عام است لطفِ دلبراں، جز عام ننہد دل براں — عاشق ز خاصانش مداں، گر دل بہ حرماں خوش نکرد

شرع از سلامت پیشگی، عشق مجازی بر نتافت — زاہد بہ کنجِ صومعہ، غوغائے سلطاں خوش نکرد

با من میاویز اے پدر، فرزندِ آزر را نگر — ہر کس کہ شد صاحب نظر، دینِ بزرگاں خوش نکرد

غالب بہ فنِ گفتگو، نازد بدیں ارزش کہ او
ننوشت در دیواں غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نکرد

تاجرِ شوق بداں رہ بہ تجارت نرود — کہ رہ انجامد و سرمایہ بغارت نرود

چہ نویسم بہ تو در نامہ کہ کز انبوہِ غم — نیست ممکن کہ روانی ز عبارت نرود

از حیا گیر نہ از جور، گر آں مایۂ ناز — کشتۂ تیغِ ستم را بزیارت نرود

وصلِ دلدار، نہ خلد است، ہمہ بہ ہمدم — کہ نگوئی سخن و عرضِ بشارت نرود

دل بداں گونہ بپالائے کہ در خواہشِ دید — دیدہ خوں گردد و از دیدہ بصارت نرود

قصر و مہماں کدۂ حاتم و کسریٰ بگذار — نام از رفتنِ آثارِ عمارت نرود

حجِ درویشِ طمع پیشہ نیرزد بہ قبول — تا کہ اندوختۂ گدیہ بہ غارت نرود

تو بیک قطرۂ خوں ترکِ وضو گیری و ما — سیلِ خوں از مژہ رانیم و طہارت نرود

رمز بشناس کہ ہر نکتہ ادائے دارد — محرم آنست کہ رہ جز باشارت نرود

زاہد از حورِ بہشتی بجز ایں نشناسد — کہ شود دستزدِ شوق و بکارت نرود

نذرانۂ ایمان و جاں، خاطر میں وہ لائے کہاں
کیا قدر اس کو جان کی، کب نقدِ ایماں سے ہو خوش

شرمندہ ہوں گا کس قدر، محشر میں جب دیں گے صدا
کس طرح یہ ہرزہ سرا، فرمانِ یزداں سے ہو خوش

ہو عام لطفِ دوست تو، رہتے ہیں سب ہی شادماں
عاشق اسی کو جانیے جو درد و حرماں سے ہو خوش

جب عافیت میں شرع کی، عشق مجازی سے بچے
کیوں زاہدِ خلوت نشیں غوغائے سلطاں سے ہو خوش

فرزندِ آزر کا کہا، دیکھو تو اے والد ذرا
صاحبِ نظر کیسے بھلا، دینِ بزرگاں سے ہو خوش

کرتا نہیں ہے مندرج، غالب کبھی کوئی غزل
جب تک نہ طبعِ شیفتہ تالیفِ دیواں سے ہو خوش

طبعِ عشاق کبھی سوئے تجارت نہ گئی
زندگی کیا جو تری رہ میں اکارت نہ گئی

کیا لکھوں نامہ کہ اندوہِ زمانہ کے سبب
وہ روانی کی جھلک میری عبارت میں نہیں*

کشتۂ تیغِ ستم سے نہیں غافل دلبر
ہے حیا مانع اسے عذر عیادت میں نہیں*

طلبِ خلد نہیں، یار ہے مقصود اپنا
چارۂ ہجر تو جنت کی بشارت میں نہیں*

خواہشِ دید ہے کس درجہ مرے دل میں صنم
غرقِ خوں ہو گئیں آنکھیں پہ بصارت نہ گئی

قصر و مہماں کدۂ حاتم و کسریٰ کو نہ پوچھ
مٹ گئے سب در و دیوار پہ شہرت نہ گئی

حج کرے لاکھ جتن کر کے طمع پیشہ مگر
کیا بھروسہ کہ سعی اس کی اکارت نہ گئی

قطرۂ خوں سے وضو ٹوٹا ترا، دیکھ ہمیں
سیلِ خوں آنکھ سے اُمڈا پہ طہارت نہ گئی

رمزِ اندازِ حیا کی ہوئی محرم وہ نظر
جو رخِ یار پہ بے نازِ اشارت نہ گئی

حور زاہد کے لئے ہے وہ عفیفہ جس کی
شوق کی دست درازی سے بکارت نہ گئی

*** مندرجہ بالا اشعار میں ردیف کی تبدیلی ضروری تھی۔

غالبِ خستہ بکوئے تو رہینِ تیشے ست
کہ بہ شاہی نہ نشیند ' بہ وزارت نرود

بتانِ شہر ستم پیشہ شہریارانند
کہ در ستم روشِ آموزِ روزگارانند

برند دل بہ ادائے کہ کس گماں نبرد
فغاں ز پردہ نشیناں کہ پردہ دارانند

بہ جنگ تا چہ بودخوئے دلبراں کایں قوم
در آشتی نمکِ زخمِ دلفگارانند

نہ زرع وکشت شناسند' نے حدیقہ و باغ
ز بہرِ بادہ ہواخواہ باد و بارانند

ز وعدہ گشتہ پشیماں و بہرِ دفعِ ملال
امیدوار بہ مرگِ امیدوارانند

ز روئے خوے ومنش نور دیدۂ آتش
برنگ و بوئے جگر گوشۂ بہارانند

تو سرمہ بین و ورق در نورد و دم درکش
مبین کہ سحر نگاہان سیاہکارانند

ز دید و داد مزن حرف ' خرد سالانند
بگردِ راہ منہ چشم نے سوارانند

ز چشم زخم بدیں حیلہ کے رہی غالب
دگر مگو کہ چومن در جہاں ہزارانند

از رشک کرد آنچہ بہ من روزگار کرد
درخستگی نشاطِ مرا دید ' خوار کرد

در دل ہمی ز بینشِ من کینہ داشت چرخ
چوں دید کاں نماند نہاں آشکار کرد

بد کرد چوں سپہر بہ من ' گرچہ من بدم
باید بدیں حساب ز نیکاں شمار کرد

لنگر گسست صرصر و کشتی شکست موج
دانا خورد دریغ کہ ناداں چہ کار کرد

یوں ترا ہو گیا غالب کہ کبھی اس کی نظر
جانبِ شہ نہ اٹھی، سوئے وزارت نہ گئی

۞

بتانِ شہر ستم پیشہ شہریار ہوئے
جفا میں جو روش آموزِ روزگار ہوئے

کسی کو بھول کے ان پر گماں نہیں ہوتا
وہ دل ربائی میں کامل یہ پردہ دار ہوئے

نہ جانے جنگ میں کیا کیا قیامتیں ڈھائیں
جو صلح میں نمکِ زخمِ دلفگار ہوئے

ہے کشت و باغ سے کیا کام باد و باراں کو
یہ اہتمام فقط بہرِ بادہ خوار ہوئے

ہیں اس قدر وہ پشیمان اپنے وعدے پر
کہ مرگِ اہلِ طلب کے اُمیدوار ہوئے

ہیں خوئے جور میں جو مثلِ شعلۂ آتش
ادا و ناز میں وہ رشکِ نو بہار ہوئے

لکیر دیکھ کے سرمے کی، دم بخود ہو جا
یہ سحر چشم بلا کے سیاہ کار ہوئے

نہ دید و داد کی کر بات خورد سالوں سے
کہ گردِ راہ سے غافل یہ نَے سوار ہوئے

نہ چشمِ بد سے بچے گا یہ کہہ کے تو غالب
کہ مجھ سے اہلِ سخن تو یہاں ہزار ہوئے

ڈھاتا ہے مجھ پہ رشک سے یہ ظلم روزگار
ہوں خستگی میں شاد تو کرتا ہے مجھ کو خوار

دانش سے میری کینہ دلِ آسماں کو تھا
پردہ نہ جب رہا تو کیا اس کو آشکار

میں بدسہی پہ کرتا ہے مجھ سے بدی سپہر
نیکوں میں اس حساب سے کیجے مجھے شمار

کشتی ہوئی شکستہ تو لنگر اکھڑ گیا
کارِ قضا میں کس کو بھلا کوئی اختیار

عمرے بہ تیرگی بسر آوردہ ام کہ مرگ   شادم بہ روشنائی شمعِ مزار کرد

تا مے بہ رغمِ من فتد از دستِ من بہ خاک   افراطِ ذوق دستِ مرا رعشہ دار کرد

کوتہ نظر حکیم کہ گفتے ہر آئینہ   نتواں فزوں ز حوصلہ جبر اختیار کرد

نومیدی از تو کفر و تو راضی نۂ بہ کفر   نومیدیم دگر بہ تو امیدوار کرد

غالب کہ چرخ را بہ نوا داشت در سماع
امشب غزل سرود و مرا بے قرار کرد

ہم ''انا اللہ'' خوان درختے را بگفتار آورد   ہم ''انا الحق'' گوئے مردی را سرِ دار آورد

ایکہ پنداری کہ ناچار است گردون در روش   نیست ناچار آنکہ گردون را برفتار آورد

نکتۂ داریم و با یاران ہمی گوئیم فاش   طالب دیدار باید تابِ دیدار آورد

دانہ ہا چون ریزد از تسبیح تاری بیش نیست   این مشعبد دیر گاہ از سبحہ زنار آورد

جذبِ شوقش بین کہ در ہنگامِ برگشتن ز دیر   در قفاے خویشتن بت را برفتار آورد

آں کند قطعِ بیابان این شگافد مغزِ کوہ   عشق ہر یک را بطرزِ خاص درکار آورد

آہِ ما را بین کہ نارد از دلِ سختش خبر   باد را نازم کہ ابر از سوے کہسار آورد

نزدِ ما حیف ست گو نزدِ زلیخا میل باش   جذبۂ کز چاہ یوسف را ببازار آورد

نیست چون در منطقش جز ذکرِ شاہد حرف و صوت
شاہدی باید کہ غالب را بگفتار آورد

تاریکیوں میں مَیں نے گزاری تمام عمر تا مرگ ایک شمع جلائے سرِ مزار

خود میرے ہاتھ سے ہی ملی خاک میں شراب افراطِ شوق نے جو کیا ہاتھ رعشہ دار

تھا کم نظر حکیم کہ جس کا یہ قول ہے بڑھ کے نہ حوصلے سے کرو جبر اختیار

نومید تجھ سے کفر، تجھے کفر ناپسند ناچار تیرے لطف سے ہوں پھر امیدوار

غالب نوا سے جس کی رہا وجد میں فلک

رات اس نے اک غزل سے کیا مجھ کو بے قرار

جو ''انا اللہ'' خواں شجر کو قوتِ گفتار دے کیوں ''انا الحق'' گو بشر کو وہ سزائے دار دے

ہے روش پہ اپنی گر ناچار گردوں، کیا ہوا وہ نہیں ناچار جو گردوں کو یہ رفتار دے

صاف کہتا ہوں یہ نکتہ، ظرف ایسا چاہیے طالبِ دیدار کو جو طاقتِ دیدار دے

شعبدہ گر دیر کا دانے گرا سکتا ہے جب کیا عجب گر سبحہ کو وہ صورتِ زنار دے

ہو کے برہم جب کوئی مجذوب چھوڑے دیر کو بُت رواں ہو اس کے پیچھے جذب وہ رفتار دے

قیس ہے صحرانورد اور کوہ کن خارا شکن عشق ہر اک کو بطرزِ خاص ذوقِ کار دے

یاں نہیں کچھ سنگدل پر میری آہوں کا اثر ابرِ باراں باد کو واں سینۂ کہسار دے

کیوں نہ ہو نازِ زلیخا جذبۂ الفت پہ جو چاہ سے یوسف کو لا کے زحمتِ بازار دے

اس کی منطق میں نہیں جز ذکرِ شاہد حرف و صوت

شاہد ایسا چاہیے غالب کو جو گفتار دے

خواجہ فردوس بہ میراثِ تمنا دارد — وائے گر در روشِ نسل بہ آدم نرسد

مے بہ زہاد مکن عرض کہ ایں جوہرِ ناب — پیشِ ایں قوم بہ شورابۂ زمزم نرسد

ہر چہ بینی بہ جہاں حلقۂ زنجیرے ہست — ہیچ جا نیست کہ ایں دائرہ باہم نرسد

آلودۂ ریا نتواں بود غالبا

پاک ست خرقۂ کہ بمی شست و شو کنند

دبیرم، شاعرم، رندم، ندیمم، شیوہ ہا دارم — گرفتم رحم برفریاد و افغانم می آید

کفر و دیں چیست جز آلائشِ پندارِ وجود — پاک شو پاک کہ ہم کفرِ تو دینِ تو شود

نو میدیِ ما گردشِ ایام ندارد — روزے کہ سیہ شد سحر و شام ندارد

ہر ذرۂ خاکم ز تو رقصاں بہوائیست — دیوانگیِ شوق سرِ انجام ندارد

بلبل بچمن بنگر و پروانہ بہ محفل — شوقست کہ در وصل ہم آرام ندارد

تو نالی از خلۂ خار و ننگری کہ سپہر — سرِ حسینِ علی برسناں بگرداند

یزید را بہ بساطِ خلیفہ بنشاند — کلیم را بہ لباسِ شباں بگرداند

خواجہ میراث میں رکھتا ہے طلب جنت کی
وائے پہنچے نہ اگر اس کا نسب آدم تک

مے نہ زہّاد پہ کر ضائع کہ یہ جوہرِ ناب
ان کے نزدیک نہ پہنچے گا کبھی زمزم تک

بستۂ زنجیر ہے ہر چیز یہاں
ہر کڑی کا ہے سفر دائرہ باہم تک

غالب اسے نہ جانیو آلودۂ ریا
خرقہ وہ پاک ہے جسے دھوئیں شراب سے

شاعر، دبیر و رند میں، اک یارِ خوش تدبیر میں
دیکھو تو مجھ سا کون ہے، چھوڑو مری آہ و فغاں

کفر و دیں کیا، فقط آلائشِ پندارِ وجود
پاک ہو پاک کہ خود کفر ہی ایماں ہو جائے

نومیدی مری گردشِ ایام نہ جانے
یہ دن کی سیاہی سحر و شام نہ جانے

ہر ذرّہ مری خاک کا رقصاں ہے فضا میں
دیوانگیِ شوق سرانجام نہ جانے

بلبل ہے فغاں سنج تو پروانہ ہے بیتاب
کیا شوق ہے جو وصل میں آرام نہ جانے

کھٹک سے کانٹے کی نالاں ہے، دیکھ یہ منظر
حسین ابنِ علی کا ہے سر بنوکِ سناں

یزید بیٹھ گیا مسندِ خلافت پر
کلیم پھرتا ہے صحرا میں در لباسِ شباں

ذوقے ست ہمدمی بہ فغاں بگزرم ز رشک — خارِ رہت بہ پائے عزیزاں خلیدہ باد

❁

من و ناسازیِ خوئے کہ در تحریرِ بیدادش — رمد حرف از قلم گر خود قلم نگریزد از کاغذ

ندانم حسرتِ روئے کہ می خواہم رقم کردن — کہ ہر جا بنگرم ذوقِ نگاہم خیزد از کاغذ

❁

بہ مرگِ من کہ پس از من بہ مرگِ من یاد آر — بہ کوئے خویشتن آں نعشِ بے کفن یاد آر

من آں نیم کہ زِ مرگم جہاں بہم نخورد — فغانِ زاہد و فریادِ برہمن یاد آر

بہ بام و در ز ہجومِ جوان و پیر بگوے — بہ کوے و برزن از اندوہِ مرد و زن یاد آر

بسازِ نالہ گروہے ز اہلِ دل دریاب — بہ بندِ مرثیہ جمعے ز اہلِ فن یاد آر

ملالِ خلق و نشاطِ رقیب در ہمہ حال — غریو خویش بہ تحسینِ تیغ زن یاد آر

بہ خود شمارِ وفا ہائے من زمردم پرس — بہ من حسابِ جفا ہائے خویشتن یاد آر

چہ دید جانِ من از چشمِ پُرخمار بگوے — چہ رفت برسرم از زلفِ پُرشکن یاد آر

خروش و زاریِ من در سیاہیِ شبِ زلف — دمِ فتادنِ دل در چہِ ذقن یاد آر

بسنج تا ز تو برمن دراں محل چہ گذشت — نخواندہ آمدنِ من در انجمن یاد آر

ہزار خستہ و رنجور در جہاں داری
یکے ز غالبِ رنجورِ خستہ تن یاد آر

اے دل از گلبنِ امید نشانے بہ من آر — نیست گر تازہ گلے، برگِ خزانے بہ من آر

نالے میں ہمدمی کی تمنا ہے، رشک کیا
چھلنی ہوں خارِ رہ سے مرے دوستوں کے پاؤں

***

ترے ذکرِ غضب کی تاب کیا لاتا بھلا کاغذ
گریزاں حرفِ مضموں سے، قلم سے تھا جدا کاغذ

لکھا جب ذکر اپنی حسرتِ دیدار کا میں نے
مرقع شوقِ دیدِ یار کا خود بن گیا کاغذ

***

کبھی تو بعد مرے مرگِ خستہ تن کر یاد
وہ اپنے کوچے میں اک نعشِ بے کفن کر یاد

میں وہ نہیں کہ مروں تو جہاں نہ ہو برہم
فغانِ زاہد و فریادِ برہمن کر یاد

وہ بام و در پہ ہر اک سو ہجومِ پیر و جواں
گلی گلی میں وہ اندوہِ مرد و زن کر یاد

وہ اضطراب کے عالم میں اہلِ دل نالاں
وہ نوحہ خوانی میں مصروف اہلِ فن کر یاد

ملالِ خلق پہ غالب رہا نشاطِ رقیب
وہ اپنے جوش میں تحسینِ تیغ زن کر یاد

کبھی خیال جو آئے مری وفاؤں کا
تو ساتھ اپنی جفا ہائے پُرفتن کر یاد

تھی جان و دل کے لئے چشمِ پُرخمار آفت
ستم جو ڈھاتی رہی زلفِ پُرشکن کر یاد

سیاہ زلف کے سائے میں وہ میری فریاد
جو دل پہ گذری بہ غرقِ چہِ ذقن کر یاد

کشش سے تیری جو میں بن بلائے جا پہنچا
تو مجھ پہ کیسی قیامت تھی انجمن کر یاد

ہیں گو ہزار ترے غم سے خستہ و رنجور
وفائے غالبِ رنجورِ خستہ تن کر یاد

گلبنِ شوق کا کوئی تو نشاں دے مجھ کو
گلِ تازہ نہ سہی، برگِ خزاں دے مجھ کو

تا دگر زخم بہ ناسور تونگر گردد ہدیۂ از کفِ الماس فشانے بمن آر

ہمدمِ روزِ گدائیؔ، سبک از جا برخیز جاں گرو، جامہ گرو، رطلِ گرانے بمن را

دلمؔ اے شوق ز آشوبِ غمے نکشاید فتنۂ چند ز ہنگامہ ستانے بمن را

اے نیاوردہ بکف نامۂ شوقے زکفے بہ زباں مژدۂ وصلے ز زبانے بمن را

یارب ایں مایہ وجود از عدم آوردۂ تست بوسۂ چند ہم از کنجِ دہانے بمن را

سخن سادہ دلم را نفریبد غالب

نکتۂ چند ز پیچیدہ بیانے بمن آر

اے ذوقِ نوا سنجی بازم بہ خروش آور غوغائے شبیخونے بر بنگۂ ہوش آور

گر خود نہ جہد از سرؔ از دیدہ فرو بارم دل خوں کن و آں خوں را در سینہ بجوش آور

ہاں ہمدمِ فرزانہ، دانی رہِ ویرانہ شمعے کہ نخواہد شد از باد خموش آور

شورابۂ ایں وادی تلخ است، اگر رادی ازشہر بسوئے من سر چشمۂ نوش آور

دانم کہ زرے داری، ہر جا گذرے داری مے گر نہ دہد سلطان، از بادہ فروش آور

گرمغ بہ کدو ریزد، بر کف نہ و راہی شو ورشہ بہ سبو بخشد، بردار و بدوش آور

ریحاں دمد از مینا، رامش چکد از قلقل آں در رہِ چشم افگن، ایں از پئے گوش آور

گاہے بہ سبکدستی از بادہ ز خویشم بر گاہے بہ سیہ مستی از نغمہ بہوش آور

غالب کہ بقایش باد ہمپائے تو گر ناید

بارے غزلے فردے زاں موئینہ پوش آور

زخمِ دل ہو کے تو اگر مرا ناسور بنے
کچھ نہ کچھ اے کفِ الماس فشاں دے مجھ کو

ہمدمِ روزِ گدائی نہ ملے بھیک اگر
بیچ کے جامہ و جاں، رطلِ گراں دے مجھ کو

خلشِ غم سے کہاں چین ملے گا دل کو
فتنہ و شورشِ ہنگامہ ستاں دے مجھ کو

اس کے ہاتھوں کا لکھا گر نہیں نامہ، نہ سہی
کوئی پیغامِ لبِ شیوہ بیاں دے مجھ کو

ہے مری ہستیِ معدوم عدم کی شائق
چند بوسوں کے لئے کنجِ دہاں دے مجھ کو

سخنِ سادہ سے کیا بات بنے گی غالب
کوئی نکتہ، کوئی پیچیدہ بیاں دے مجھ کو

اے ذوقِ نغمہ پھر وہی جوش و خروش لا
اک لشکرِ جنوں بسرِ عقل و ہوش لا

سودا نہیں ہے سر میں تو پھر دل کو خون کر
اور سوزِ غم سے خون کی موجوں میں جوش لا

ظلمت کدے کے واسطے ایک ایسی شمع دوست
بادِ صبا نہ کر سکے جس کو خموش لا

شورابہ میری وادی کا ہے تلخ کس قدر
گر ہو سکے تو شہر سے اک جوئے نوش لا

دولت تجھے نصیب، رسائی بھی ہر جگہ
سلطاں نہ بادہ دے تو خمِ مے فروش لا

مغ سے ملے کدو میں تو لے اپنے ہاتھ میں
اور شاہ دے سبو میں تو اس کو بدوش لا

گل بار ہے جو مینا تو قلقل نوا طراز
جنت نگاہ کی معۂ فردوسِ گوش لا

دورِ شرابِ ناب سے بدمست کر کبھی
نغمہ سنا کے پھر مرے گم گشتہ ہوش لا

وہ تیرے ساتھ آنے پہ راضی نہ ہو اگر
اک شعرِ نغزِ غالبِ موئینہ پوش لا

همت ز دمِ تیشۂ فرہاد طلب کن مجنوں مشو و مردنِ دشوار میاموز
غالب بلہ کردار گزاراں بہ کمیں اند
گفتم بہ تو آزادہ رو و کار میاموز

لطفے بہ تحتِ ہر نگۂ خشمگیں شناس آرایشِ جبینِ شگرفاں ز چیں شناس
باز آ کہ کارِ خود بہ نگاہت سپردہ ایم مارا خجل ز تفرقۂ مہر و کیں شناس
آرایشِ زمانہ ز بیداد کردہ اند ہرخوں کہ ریخت، غازۂ روئے زمیں شناس
از دہر غیرِ گردشِ رنگے پدید نیست ایں روضہ را سرابِ گل و یاسمیں شناس
غالب مذاقِ ما نتواں یافتن ز ما
رو شیوۂ نظیری و طرزِ حزیں شناس

تیغ از نیام بیہدہ بیروں نہ کردہ کس مارا بہ ہیچ کشتہ و ممنوں نہ کردہ کس
فرصت زدست رفتہ و حسرت فشردہ پا کار از دوا گزشتہ و افسوں نہ کردہ کس
داغم ز عاشقاں کہ ستم ہائے دوست را نسبت بہ مہربانیِ گردوں نہ کردہ کس
یا پیش ازیں بلائے جگر تشنگی نہ بود یا چوں من التفات بہ جیحوں نہ کردہ کس
یارب بہ زاہداں چہ دہی خلد رائیگاں جورِ بتاں ندیدہ و دل خوں نکردہ کس
جاں دادن و بہ کام رسیدن زما، ولے آہ از بہائے بوسہ کہ افزوں نکردہ کس
غالب ز حسرتی چہ سرائی کہ در غزل
چوں او تلاشِ معنی و مضموں نکردہ کس

فرہاد کی اک ضرب سے مر جانا ہے بہتر مجنوں کا مجھے شیوۂ دشوار نہ سکھلا

غالب ہو جہاں کارگزاروں کا بڑا نام

بیکاری بھلی، مجھ کو کوئی کار نہ سکھلا

ہے لطفِ خاص وہ نگۂ خشمگیں سمجھ آرائشِ جمال ہے چینِ جبیں سمجھ

خود کو تری نگاہ کے جب نذر کر چکے ہم کو ورائے تفرقۂ مہر و کیں سمجھ

تزئین ہے زمانے کی بیداد و جور سے خلقت کا خون غازۂ روئے زمیں سمجھ

کہتے ہیں جس کو دہر وہ گردش ہے رنگ کی اس باغ کو سرابِ گل و یاسمیں سمجھ

غالب مذاق میرا سمجھنے کے واسطے

تو شیوۂ نظیری و طرزِ حزیں سمجھ

وہ تیغ اپنی نیام سے بیروں نہ کر سکا مجھ بے گنہ کو مار کے ممنوں نہ کر سکا

عاجز تھے گر طبیب تو شکوہ ہے یار سے کیوں دردِ لاعلاج میں افسوں نہ کر سکا

عاشق کہاں کہ لطفِ ستم ہائے یار پر جو شکرِ مہربانیِ گردوں نہ کر سکا

یا پہلے اس طرح کی جگر تشنگی نہ تھی یا کوئی مجھ سی خواہشِ جیحوں نہ کر سکا

زاہد کو دے نہ خلد خدایا، وہ بے نصیب جورِ بتاں سے دل کو کبھی خوں نہ کر سکا

جاں دے کے ہم نے گوہرِ مقصود پا لیا وہ کیوں بہائے بوسہ کو افزوں نہ کر سکا

غالب غزل سرائی میں کیوں حسرتی کی طرح

کوئی تلاشِ معنی و مضموں نہ کر سکا

کاشانہ نشین عشوہ گرے را چہ کند کس بے فتنہ سرِ رہ گذرے را چہ کند کس
در ہدیہ دل و جان بصد ابرام پذیرد منّت نہِ سرمایہ برے را چہ کند کس
آن نیست کہ صحرائے سخن جادہ ندارد واژون روشِ کج نگرے را چہ کند کس

غالب بہ جہاں پادشہان از پےِ دادند
فرمان دہِ بیداد گرے را چہ کند کس

دوشم آہنگِ عشا بود کہ آمد در گوش نالہ از تارِ ردائے کہ مرا بود بدوش
کاے خسِ شعلۂ آوازِ موذّن زنہار از پےِ گرمیِ ہنگامہ منہ دل بہ خروش
تکیہ بر عالم و عابد نتواں کرد کہ ہست آن یکے بیہدہ گوایں دگرے بیہدہ کوش
نیست جز حرف دراں فرقۂ اندرز سرائے نیست جز رنگ دریں طائفۂ ازرق پوش
جادہ بگذار و پریشاں رو و در راہ روی بہ فریب: مے و معشوق مشو رہزنِ ہوش
بوسہ گر خود بود آساں، مبر از شاہدِ مست بادہ گر خود بود ارزاں، مخر از بادہ فروش
ایں نشیداست کہ طاعت مکن و زہد مورز ایں نہیب است کہ رسوا مشو و بادہ منوش
حاصل آنست ازیں جملہ نبودن کہ مباش ما نہ افسانہ سرائیم و تو افسانہ نیوش
من کہ بودے کفم از مزدِ عبادت خالی چو دلم گشت توانگر بہ رہ آوردِ سروش
گفتم از رنگ بہ بیرنگی اگر آرم روے رہ دگر چوں سپرم، گفت زخود دیدہ بپوش
جستم از جائے ولے ہوش وخرد پیشا پیش رفتم از خویش ولے علم وعمل دوشا دوش
تابہ بزمے کہ بیک وقت در آنجا دیدم بادہ پیمودنِ امروز و بہ خون خفتنِ دوش

ہے عشوہ گرِ خانہ نشیں پردے میں مستور — بے فتنہ کٹے راہ تو پھر کوئی کرے کیا

دل چھین کے احسان دھرے طرفہ ستم ہے — ہو ایسے سے گر چاہ تو پھر کوئی کرے کیا

رستے بہت اظہار کے پر کوئی سخنور — اُلٹی ہی چلے راہ، تو پھر کوئی کرے کیا

غالب پئے انصاف ہی ہوتے ہیں سلاطیں
ظالم ہو اگر شاہ تو پھر کوئی کرے کیا

رات ہنگامِ عشا آئی یہ آواز بگوش — مجھ سے گویا ہوئی اس طرح ردائے بردوش

اے خسِ شعلۂ آوازِ موذّن، ہشیار — کس لئے گرمیِ ہنگامہ میں یہ جوش وخروش

کیوں بھلا عالم و عابد سے عقیدت تجھ کو — یہ بس اک بیہدہ گو، وہ ہے فقط بیہدہ کوش

صرف الفاظ کا جادو ہے متاعِ واعظ — رنگ کا کھیل ہے یہ طائفۂ ازرق پوش

یہ ڈگر چھوڑ کے آزادی سے چل راہ اپنی — اور فریبِ مے ومعشوق کو نہ کر رہزنِ ہوش

بوسہ آساں ہو تو مت چوم لبِ شاہدِ مست — بادہ ارزاں ہو تو مت دیکھو سوئے بادہ فروش

''طاعت وزہد ضروری نہیں'' مژدہ یہ ہے — ہے یہ تنبیہ ''نہ رسوا ہو، نہ مے سے مدہوش''

حاصل ان جملہ نواہی کا فقط اپنی فنا — ہم نہ افسانہ سرا ہیں، نہ تو افسانہ نیوش

میں کہ تھا مزدِ عبادت سے مرا ہاتھ تہی — حوصلہ جب ہوا کچھ سن کے نواہائے سروش

میں نے پوچھا کہ ''سفر رنگ سے بے رنگی کا — کیسے ہو طے'' تو کہا ''اپنے سے ہو جا روپوش''

سُن کے یہ اُٹھا مگر ہوش وخرد ساتھ لئے — گرچہ میں خود سے گیا، علم وعمل تھے ہمدوش

پہنچا اس بزم میں اک ساتھ نظر آئی جہاں — بادہ پیمائیِ امروز بہ خونابۂ دوش

خانقاہ از روشِ زہد و ورع قلزمِ نور بزمگاہ از اثرِ بوسہ و مے چشمۂ نوش

شاہدِ بزم درآں بزم کہ خلوت گہِ اوست فتنہ برخویش و برآفاق کشودہ آغوش

ہمچو خورشید کزو ذرّہ درخشاں گردد خوردہ ساقی مے و گردیدہ جہانے مدہوش

رنگہا جستہ ز بیرنگی و دیدن نہ بچشم رازہا گفتہ خموشی و شنیدن نہ بگوش

قطرہ ناریختہ از ظرفِ خم و رنگ ہزار یک خمِ رنگ و سرش بستہ و پیوستہ بہ جوش

ہمہ محسوس بود ایزد و عالم معقول

غالب ایں زمزمہ آواز نخواہد خاموش

دودِ سودائے تتق بست، آسماں نامیدمش دیدہ برخوابِ پریشان زد، جہاں نامیدمش

وہمِ خاکے ریخت درچشمم، بیاباں دیدمش قطرۂ بگداخت، بحرِ بیکراں نامیدمش

بادِ دامن زد بر آتش، نوبہاراں خواندمش داغ گشت آں شعلہ، از مستی خزاں نامیدمش

قطرۂ خونے گرہ گردید، دل دانستمش موجِ زہرابے بہ طوفاں زد، زباں نامیدمش

غربتم ناسازگار آمد، وطن فہمیدمش کرد تنگی حلقۂ دامِ آشیاں نامیدمش

بود در پہلو بہ تمکینے کہ دل می گفتمش رفت از شوخی بہ آئینے کہ جاں نامیدمش

ہرچہ از جاں کاست در مستی، بہ سود افزودمش ہرچہ با من ماند از ہستی، زیاں نامیدمش

تازمن بگسست عمرے، خوشدلش پنداشتم چوں بہ من پیوست لختے، بدگماں نامیدمش

او بہ فکرِ کشتنِ من بود، آہ از من کہ من لاابالی خواندمش، نامہرباں نامیدمش

تاہم بروے سپاسِ خدمتے از خویشتن بود صاحب خانہ اما میہماں نامیدمش

خانقہ ایسی کہ تھی زہد و ورع سے پُرنور
بزم گہ وہ کہ مے و بوسہ سے تھی چشمۂ نوش

شاہدِ بزم نے اس بزم گہِ خلوت میں
فتنۂ ناز کا آفاق پہ کھولا آغوش

مثلِ خورشید کے جو ذرّوں کو روشن کردے
پی کے ساقی نے کیا سارے جہاں کو مدہوش

آنکھ دیکھے نہ جسے رنگ وہ بیرنگی کے
راز خاموشی کہے ایسے کہ سن پائے نہ گوش

کوئی قطرہ نہ گرے خم سے مگر رنگ ہزار
ایک سربستہ خمِ رنگ تھا پیوستہ بجوش

ذاتِ ایزد ہمہ محسوس ہے عالم معقول
نغمہ یہ صوت سے بیگانہ ہے، غالب خاموش

دود کا پردہ تھا جس کو آسماں کہتا تھا میں
اور اک خوابِ پریشاں کو جہاں کہتا تھا میں

ایک مٹھی خاک تھی صحرا جسے سمجھا کیا
اور اک قطرے کو بحرِ بیکراں کہتا تھا میں

آگ بھڑکی جب ہوا سے میں یہ سمجھا ہے بہار
داغ جب شعلے ہوئے ان کو خزاں کہتا تھا میں

قطرۂ خوں کی گرہ تھی جس کو دل جانا کیا
موج تھی زہراب کی جس کو زباں کہتا تھا میں

جب نہ غربت راس آئی میں اسے سمجھا وطن
تنگ ہوا جب حلقۂ دام آشیاں کہتا تھا میں

تھا وہ جب تمکین سے پہلو میں دل سمجھا اسے
اور شوخی سے ہوا رخصت تو جاں کہتا تھا میں

عمر جو مستی میں گزری اس کو جانا میں نے سود
ہوش میں جتنی کٹی اس کو زیاں کہتا تھا میں

مہرباں سمجھا کیا جب تک رہا وہ مجھ سے دور
اور قریب آیا تو اس کو بدگماں کہتا تھا میں

گھات میں تھا قتل کی وہ اور اسے سمجھے بغیر
لااُبالی، بے خبر، نامہرباں کہتا تھا میں

اپنی خدمت کا فقط احساں جتانے کے لئے
تھا وہ صاحب خانہ لیکن میہماں کہتا تھا میں

در سلوک از ہر چہ پیش آمد گذشتن داشتم　　　کعبہ دیدم، نقشِ پائے رہرواں نامیدمش

بر امیدِ شیوهٔ صبر آزمائے زیستم　　　تُو بریدی از من و من امتحان نامیدمش

بود غالب عندلیبے از گلستانِ عجم

من ز غفلت طوطیِ ہندوستاں نامیدمش

مپرس حالِ اسیرے کہ در خمِ ہوسش　　　بقدرِ کسبِ ہوا نیست روزنِ قفسش

بعرضِ شہرتِ خویش احتیاجِ ما دارد　　　چوں شعلۂ کہ نیاز اوفتد بہ خار و خسش

صفا نہ یافتہ قلب از غش و مرا عمریست　　　کہ غوطہ میدہم اندر گدازِ ہر نفسش

ز رنگ و بوئے گل و غنچہ در نظر دارم　　　غبارِ قافلۂ عمر و نالۂ جرسش

مرا بہ غیر ز یک جنس در شمار آورد　　　فغاں کہ نیست ز پروانہ فرق تا مگسش

جگر ز گرمیِ ایں جرعہ تشنہ تر گردید　　　فغاں ز طرزِ فریبِ نگاہِ نیم رسش

خوشم کہ دوست خود آنمایہ بے وفا باشد　　　کہ در گماں نہ سگالم امیدگاہِ کسش

بہار پیشہ جوانے کہ غالبش نامند

کنوں ببیں کہ چہ خوں می چکد ز ہر نفسش

چوں عکسِ پل بہ سیل بہ ذوقِ بلا برقص　　　جا را نگاہ دار و ہم از خود جدا برقص

نبود وفائے عہد، دمے خوش غنیمت است　　　از شاہداں بہ نازشِ عہدِ وفا برقص

ذوقے است جستجو، چہ زنی دم زقطعِ راہ　　　رفتار گم کن و بہ صدائے درا برقص

چھوڑ پیچھے راہِ حق میں جو نظر آیا بڑھا کعبے کو اک نقشِ پائے رہرواں کہتا تھا میں
شیوۂ صبر آزمائی کے سہارے میں جیا تو ہوا مجھ سے الگ تو امتحاں کہتا تھا میں

اصل میں تھا گرچہ غالب بلبلِ باغِ عجم
پھر بھی اس کو طوطیِ ہندوستاں کہتا تھا میں

ہے قید ایسی غضب کی کسی کے خم کی ہوس کہ سانس لینے نہ پائے کبھی اسیرِ قفس
ہے اس کے حسن کو شہرت میں احتیاج مری کہ جیسے شعلۂ آتش ہو رہنِ خشکیِ خس
ہوئی نہ عمر گذرنے پہ بھی صفا حاصل اگرچہ دل کو تپایا کیا گدازِ نفس
ہے رنگ و بوئے گل و غنچہ کی حقیقت کیا غبارِ قافلۂ عمر اور صدائے جرس
نہیں ہے بزمِ بتاں میں تمیزِ عشق و ہوس ہے ایک واں پرِ پروانہ اور پائے مگس
جگر کو اور کیا تشنہ ایک جرعے نے فریب نیم نگاہی نے کر دیا بے بس
یہ اطمینان ہے دلبر کی بے وفائی سے رہے گا دور ہی دامن سے اس کے دستِ ہوس

بہار پیشہ جواں جس کا نام ہے غالب
فغاں کہ ہو گیا خوں ریز اس کا تارِ نفس

کر عکسِ پل کی طرح سے سیلِ بلا پہ رقص اپنی جگہ پہ رہ کے، کسی اور جا پہ رقص
کیا خواہشِ وفا کہ غنیمت ہے ایک پل کر التفاتِ شاہدِ شیریں ادا پہ رقص
ذوقِ سفر میں ہم ہوئے منزل سے بے نیاز رفتار چھوڑ، کرتے ہیں بانگِ درا پہ رقص

سرسبز بوده و بہ چمنہا چمیدہ ایم　　اے شعلہ در گدازِ خس و خارِ ما برقص
ہم بر نوائے چغد طریقِ سماع گیر　　ہم در ہوائے جنبشِ بالِ ہما برقص
درعشق انبساط بہ پایاں نمیرسد　　چوں گردباد خاک شو و در ہوا برقص
فرسودہ رسم ہائے عزیزاں فرو گذار　　درسُور نوحہ‌خوان و بہ بزمِ عزا برقص
چوں خشمِ صالحاں و ولائے منافقاں　　درنفسِ خود مباش، ولے برملا برقص
از سوختن الم، زشگفتن طرب مجوے　　بیہودہ درکنارِ سموم و صبا برقص

غالب بدیں نشاط کہ وابستۂ کۂ
بر خویشتن ببال، و بہ بندِ بلا برقص

دل درغمش بسوز کہ جاں می دہد عوض　　ور جاں دہی غمے بہ ازاں میدہد عوض
فارغ مشوز دوست بہ مے درریاضِ خلد　　از ما گرفت آنچہ ہماں میدہد عوض
سرمایۂ خرد بہ جنون دہ کہ این کریم　　یک سود را ہزار زیاں میدہد عوض
نبود سخن سرائیِ ما رائیگاں کہ دوست　　دل می برد ز ما و زباں میدہد عوض
از ہر چہ نقشِ وہم و گمانست درگذر　　کو خود بروں ز وہم و گماں میدہد عوض
آں را کہ نیستے نظر از ماہ و مشتری　　چشمِ سہیل و زہرہ فشاں میدہد عوض
نازم بہ دستِ سبحہ شمارے کہ عاقبت　　شوقش کفِ پیالہ ستاں میدہد عوض
آہ ازغمش کہ چوں ز دل آرام می برد　　ناسازیے ز ہم نفساں میدہد عوض

پاداشِ ہر وفا بہ جفائے دگر کند
غالب ببیں کہ دوست چساں میدہد عوض

سرسبز تھے تو سیرِ چمن میں رہے مدام
خس ہو کے دیکھا آگ کا اپنی فنا پہ رقص

حاصل نوائے چغد سے ہو لذّتِ سماع
کر انبساطِ جنبشِ بالِ ہما پہ رقص

ملتی ہے جن کو راحتِ بے پایاں عشق میں
کرتے ہیں خاک ہو کے وہ دوشِ صبا پہ رقص

فرسودہ رسم چھوڑ کے کرتے ہیں اہلِ دل
بزمِ طرب پہ نوحہ تو آہ و بکا پہ رقص

زہد و نفاق دونوں انا کے اسیر ہیں
کر بندِ نفس توڑ کے دل کی صدا پہ رقص

جلنے سے کوئی رنج، نہ کھلنے سے کچھ خوشی
صرصر پہ وجد کیجئے، بادِ صبا پہ رقص

وابستہ ہے کسی سے تو غالب نشاط میں
کر ناز اپنے آپ پہ، بندِ بلا پہ رقص

دل کو جلاؤ غم میں تو دیتے ہیں جاں عوض
اور جان نذر کرنے پہ اس سے گراں عوض

کیا شغلِ مے سے دوست کو چھوڑوں بہشت میں
ہے اپنی ہی شراب کا رطلِ جناں عوض

سرمایۂ خرد کو جنوں کے سپرد کر
ہر سود کے ملیں گے ہزاروں زیاں عوض

میری سخن سرائی کو مت رائیگاں سمجھ
دل لے کے مجھ کو دوست نے دی ہے زباں عوض

گذرے جو اس کی راہ میں وہم و گماں سے
دیتا ہے اس کو یار ورائے گماں عوض

جس پہ نظر نہ ڈالیں کبھی ماہ و مشتری
دیتے ہیں اس کو دیدۂ زہرہ فشاں عوض

دستِ سبحہ شمار کے صدقے میں آخرش
پایا ہے میں نے اک کفِ پیالہ ستاں عوض

ہاں اک طرف تو عشق سے آرامِ دل گیا
اور اس پہ مستزاد غمِ دوستاں عوض

غالب ہر اک وفا کے صلے میں جفا نئی
دیتا ہے کس کمال سے وہ مہرباں عوض

لب برلبت نہادن و جان دادن آرزوست — در عرضِ شوق حسنِ ادا بودہ است شرط

تا نگزرم ز کعبہؑ چہ بینم کہ خود ز دیر — رفتن بہ کعبہ رو بہ قفا بودہ است شرط

۞

تکیہ بر عہدِ زبانِ تو غلط بود غلط — کایں خود از طرزِ بیانِ تو غلط بود غلط

دل نہادن بہ پیامِ تو خطا بود خطا — کام جستن ز لبانِ تو غلط بود غلط

این مسلّم کہ لبِ ہیچ مگوئے داری — خاطرِ ہیچمدانِ تو غلط بود غلط

ہر جفائے تو بہ پاداشِ وفائے ست ہنوز — دعوۂ ما بہ گمانِ تو غلط بود غلط

آخر اے بوقلموں جلوہ کجائی کاینجا — ہرچہ دادند نشانِ تو غلط بود غلط

آں تو باشی کہ نظیرِ تو عدم بود عدم — سایہ در سروِ روانِ تو غلط بود غلط

می پسندی کہ بدیں زمزمہ میرد غالب
تکیہ بر عہدِ زبانِ تو غلط بود غلط

مرا کہ بادہ ندارمؑ ز روزگار چہ حظ — ترا کہ ہست و نیاشامیؑ از بہار چہ حظ

خوشست کوثر و پاکست بادۂ کہ دروست — ازاں رحیقِ مقدس دریں خمار چہ حظ

چمن پُراز گل و نسریں و دلربائے نے — بہ دشتِ فتنہ ازیں گردِ بے سوار چہ حظ

بذوق بے خبر از درآمدن محوم — بہ وعدہ ام چہ نیاز و ز انتظار چہ حظ

درآں چہ من نتوانم ز احتیاط چہ سود — بدانچہ دوست نخواہد ز اختیار چہ حظ

چنیں کہ نخل بلنداست و سنگ ناپیدا — ز میوہؑ تا نفتد خود ز شاخسارؑ چہ حظ

"لب تیرے لب پہ ہوں تو نکل جائے جاں مری" اس عرضِ اشتیاق میں حسنِ ادا ہے شرط
کعبے سے میں نہ گزروں تو کیا آئے گا نظر کعبے کی سمت مڑ کے مگر دیکھنا ہے شرط

❁

تھا ترا عہدِ زباں صرف غلط محض غلط اور پھر طرزِ بیاں صرف غلط محض غلط
حرفِ محبوب پہ امید، خطا سخت خطا شوقِ لبہائے بتاں، صرف غلط محض غلط
اس لبِ ہیچ مگو پر ہے تجھے سب کی خبر خاطرِ ہیچمداں صرف غلط محض غلط
ہر جفا تیری ہے پاداشِ وفا، او ظالم تجھ سے الفت کا گماں، صرف غلط محض غلط
اے بہ ہر جلوہ عیاں ہم تجھے ڈھونڈیں کیونکر پائے سب تیرے نشاں صرف غلط محض غلط
تیری ہستی کی ہے تمثال عدم بعدِ عدم سایۂ سروِ رواں صرف غلط محض غلط

ہاں یہ کہتے ہوئے مر جائے گا شاید غالب
تھا ترا عہدِ زباں صرف غلط محض غلط

ملے نہ مے تو مجھے لطف روزگار سے کیا ہو بادہ اور نہ پیے تو تجھے بہار سے کیا
ہے خوب کوثر اور اس کی شراب اے واعظ مئے طہور سے لیکن مرے خمار کو کیا
چمن ہے پُرگل و نسریں سے دلربا ناپید ہمارے دشت کو اس گردِ بے سوار سے کیا
ہوں محو آمدِ ناگہ کے ذوق میں ایسا کہ مجھ کو مژدۂ ایفائے عہدِ یار سے کیا
جو اپنے بس میں نہ ہو کیسی احتیاط اس سے ہو جس پہ دوست نہ مائل اس اختیار سے کیا
ثمر بلند ہے اور پاس کوئی سنگ نہیں گرے گا میوہ بھلا اوجِ شاخسار سے کیا

به بندِ زحمتِ فرزند و زن چہ مے کشیم ازیں نخواستہ غمہایِ ناگوار چہ حظ

تو آنی آنکہ نشانی بجاے رضوانم مرا کہ محوِ خیالم ز کاروبار چہ حظ

به عرضِ غصہ نظیری وکیلِ غالب بس

"اگر تو نشنوی، از نالہ ہائے زار چہ حظ"

تا رغبتِ وطن نبود، از سفر چہ حظ آنرا کہ نیست خانہ بہ شہر از خبر چہ حظ

از نالہ مستِ زمزمہ ام ہمنشین برو چوں نیست مطلبے ز نویدِ اثر چہ حظ

درہم فگندہ ایم دل و دیدہ را ز رشک چوں جنگ با خودست، ز فتح و ظفر چہ حظ

دلہائے مردہ را بہ نشاطِ نفس چہ کار گلہائے چیدہ را ز نسیمِ سحر چہ حظ

تا فتنہ در نظر نہی از نظر چہ سود تا دشنہ بر جگر نخوری از جگر چہ حظ

زاں سوئے کاخ روزنِ دیوار بستہ اند بے دوست از مشاہدۂ بام و در چہ حظ

لرزد بجانِ دوست دلِ سادہ ام ز مہر بیچارہ را ز غمزۂ تابِ کمر چہ حظ

چوں پردۂ محافہ بالا نمیزند از وے بداعیانِ سرِ رہگذر چہ حظ

باید نبشت نکتۂ غالب بہ آبِ زر

بے آنکہ وجہ مے شود از سیم و زر حظ

شادم کہ بر انکارِ من شیخ و برہمن گشتہ جمع کز اختلافِ کفر و دین خود خاطرِ من گشتہ جمع

مقتولِ خویشانِ خودم، جوئید خوں ریزِ مرا زیناں کہ بر نعشِ منند از بہرِ شیون گشتہ جمع

اسیرِ زحمتِ فرزند و زن نہ کر یارب ملے گا رند کو غم ہائے ناگوار سے کیا
تو وہ کہ سونپ دے مجھ کو فریضۂ رضواں مجھے کہ گم ہوں خیالوں میں کاروبار سے کیا
اب عرضِ غم میں نظیری وکیلِ غالب ہے
''نہ تو سنے تو مجھے نالہ ہائے زار سے کیا''

الفت نہ ہو وطن کی تو حاصل سفر سے کیا جس کا نہ گھر ہو شہر میں اس کو خبر سے کیا
ہوں مست اپنے نالے میں مت چھیڑ ہمنشیں مطلب ہی کچھ نہ ہو تو نویدِ اثر سے کیا
ہے معرکہ میانِ دل و دیدہ رشک میں برپا ہو خود سے جنگ تو فتح و ظفر سے کیا
جو مردہ دل ہیں ان کو نشاطِ نفس کہاں ٹوٹے ہوئے گلوں کو نسیمِ سحر سے کیا
جو فتنۂ نظر سے بچے وہ نظر کہاں جب تک جگر نہ چاک ہو حاصل جگر سے کیا
دیوارِ قصر میں کوئی روزن نہیں رہا بے دوست اب مشاہدۂ بام و در سے کیا
بیچارگی پہ یار کی کڑھتا ہے دل مرا اس نازنیں کو غمزۂ تابِ کمر سے کیا
تھوڑا سا گر نہ پردۂ محمل اٹھائیں وہ حاصل ہو انتظارِ سرِ رہگذر سے کیا
ہاں آبِ زر سے لکھ رکھو غالب کی ایک بات
''جس کے عوض نہ مے ملے اس سیم و زر سے کیا''

خوش ہوں مری تکذیب پر ہیں جمع شیخ و برہمن ہے کفر و دیں کے شور سے مامون دل کی انجمن
اپنوں کا میں مقتول ہوں، ڈھونڈاں میں قاتل کو مرے گریاں ہیں میری مرگ پر بیٹھے جواب گردِ کفن

ھے ھے، چہ خوش باشد بہ دے آتش بہ پیش و مرغ و مے　　　　از بذلہ سنجاں چند کس در یک نشیمن گشتہ جمع

صحبت و گوناگوں اثر، غالب چہ خسپی بے خبر
نیکاں بہ مسجد رفتہ در، رنداں بہ گلشن گشتہ جمع

بخوں تپم بسرِ رہگذر، دروغ دروغ　　　　نشاں دہم برہت صد خطر، دروغ دروغ
مرو بگفتِ بدآموز و بیم ناک مباش　　　　من و ز نالہ تلاشِ اثر، دروغ دروغ
فریب وعدۂ بوس و کنار، یعنی چہ　　　　دہن دروغ دروغ و کمر دروغ دروغ
طراوتِ شکنِ جیب و آستینت کو　　　　ز نامہ دم مزن، اے نامہ بر دروغ دروغ
من و بذوقِ قدم ترکِ سر، درست درست　　　　تو و ز مہر بخاکم گذر، دروغ دروغ
تو و ز بیکسیم اینہمہ شگفت شگفت　　　　من و بہ بندگیت اینقدر، دروغ دروغ
دگر کرشمہ در ایجادِ شیوۂ نگہے ست　　　　تو و ز عربدہ قطعِ نظر، دروغ دروغ

دریں ستیزہ ظہوری گواہِ غالب بس
"من و ز کوے تو عزمِ سفر، دروغ دروغ"

ہنگامِ بوسہ برلبِ جاناں خورم دریغ　　　　در تشنگی بہ چشمۂ حیواں خورم دریغ
رفتارِ گرم و تیشۂ تیزم سپردہ اند　　　　از خویشتن بہ کوہ و بیاباں خورم دریغ
از خود بروں نرفتہ و درہم فتادہ تنگ　　　　در راہِ حق بہ گبر و مسلماں خورم دریغ
دل زانِ تست ہدیۂ تن کن کنار و بوس　　　　چند از تو بر نوازشِ پنہاں خورم دریغ

ہوا گ روشن، مرغ و مے وافر ہوں، کیا اچھا لگے
گر بذلہ سنجوں سے سجے، سرما میں ایسی انجمن

غالب نہ سو یوں بے خبر، چل دیکھ صبح کا اثر
نیکوں سے مسجد ہے بھری، رندوں سے پُر صحنِ چمن

میں تڑپوں خوں میں سرِ رہگزر، دروغ دروغ
عیاں کروں تری رہ کے خطر، دروغ دروغ

نہ کر یقین عدو پر، جفا میں کیا خطرہ
ہو میری آہ میں کوئی اثر، دروغ دروغ

فریبِ وعدۂ بوس و کنار کیا کھائیں
دہن دروغ دروغ و کمر دروغ دروغ

نہیں ہے اس میں کوئی جیب وآستیں کی شکن
کہاں یہ یار کا خط نامہ بر، دروغ دروغ

ترے قدم پہ مرا ترکِ سر، درست درست
تو اور خاک پہ میری گذر، دروغ دروغ

غلط کہ تجھ کو تعجب ہو بے کسی پہ مری
میں بندگی میں تری اس قدر، دروغ دروغ

کرشمہ سازی نے طرزِ نگاہ بدلا ہے
تجھے ہو جور سے قطعِ نظر، دروغ دروغ

ظہوری کا یہی مصرعہ گواہِ غالب ہے
''تری گلی سے کروں میں سفر، دروغ دروغ''

ہنگامِ بوسہ اور لبِ جاناں سے احتراز
ہے تشنگی میں چشمۂ حیواں سے احتراز

رفتار میری گرم ہے اور تیشہ سخت تیز
ہو کیوں نہ مجھ کو کوہ و بیاباں سے احتراز

خود سے نکل نہ پائے تو جھگڑوں میں پڑ گئے
کر راہِ حق میں گبر و مسلماں سے احتراز

بوس و کنار کا ہے تقاضا سپردگی
اب کیجئے نوازشِ پنہاں سے احتراز

گل و شمعم بہ مزارِ شہدا گشت تلف / نشدی راضی و عمرم بہ دعا گشت تلف

سعی در مرگِ رقیبانِ گراں جاں کر دی / می شناسم کہ چہ از ناز و ادا گشت تلف

رنگ و بو بود ترا، برگ و نوا بود مرا / رنگ و بوگشت کہن، برگ و نوا گشت تلف

بال و پر شاید و میرم کہ دریں بندِ گراں / تاب و طاقت بہ خَمِ دامِ بلا گشت تلف

لطفِ یک روزہ تلافی نکند عمرے را / کہ بہ دریوزۂ اقبالِ جفا گشت تلف

گیرم امروز دہی کامِ دل آں حسن کجا / اجرِ ناکامیِ سی سالۂ ما گشت تلف

کاش پاے فلک از سیر بماندے غالب
روزگارے کہ تلف گشت چرا گشت تلف

از عشق و حسنِ ما و تو باہمدگر در گفتگو / خسرو بہ مجنوں یک طرف، شیریں بہ لیلیٰ یک طرف

تا دل بہ دنیا دادہ ام، در کشمکش افتادہ ام / اندوہِ فرصت یک طرف، ذوقِ تماشا یک طرف

اے بستہ در بزمِ اثر برغارتِ ہوشم کمر / مطرب بہ الحاں یک طرف، ساقی بہ صہبا یک طرف

خار افگناں در راہِ من، ترساں ز برقِ آہِ من / طفلانِ ناداں یک طرف، پیرانِ دانا یک طرف

واماندہ در راہِ وفا از بے خودی ہا جا بجا / نقدم بہ منزل یک طرف، رختم بہ صحرا یک طرف

بادیدہ و دل از دو سو ماندم بہ بندِ غم فرو / اندوہِ پنہاں یک طرف آشوبِ پیدا یک طرف

ہم مہر دارد ہم حیا برنعشم آریدش چرا / خویشاں بہ شیون یک طرف، خصماں بہ غوغا یک طرف

اے آئینہ پیشِ نظر مستانہ برخود جلوہ گر / رحمے بہ جانِ خویش کن، غمخواریِ ما یک طرف

غالب، چہ تسکینم دہی، در ہجرِ آں سروِ سہی
رشکِ رقیبم میکشد، فرطِ تمنا یک طرف

کیا شمع وگل حصولِ رضا میں ہوئے تلف | اور کتنے ماہ وسال دعا میں ہوئے تلف

کوشش سے یار کی نہ مَرے سخت جاں رقیب | غمزے تمام نازو ادا میں ہوئے تلف

تجھ پہ بہارِ حسن تھی، مجھ پر بہارِ شوق | سب حسن وشوق، دورِ بلا میں ہوئے تلف

طاقت ہو بال و پر میں تو لے کر اڑوں قفس | جذب و جنون دامِ بلا میں ہوئے تلف

کیسے تلافی ان کی ہو یک روزہ لطف سے | جو سال آرزوئے جفا میں ہوئے تلف

ڈھلتے ہوئے نکھار پہ کیوں توڑیے حجاب | جب تیس سال شوقِ لقا میں ہوئے تلف

غالب نہ ٹھہری گردشِ افلاک دو گھڑی

دن اپنے جورِ سیرِ سما میں ہوئے تلف

الفت ہماری دیکھ کر آپس میں محوِ گفتگو | خسروسے مجنوں اک طرف،شیریں سے لیلیٰ اک طرف

دل دے کے دنیا کو ہوا کس کشمکش میں مبتلا | اندوہِ فرصت اک طرف، ذوقِ تماشا اک طرف

کیسی سجی بزمِ اثر، باندھے ہیں غارت پہ کمر | مطرب بہ الحاں اک طرف،ساقی بہ صہبا اک طرف

رستے میں کانٹے ڈال کر، ترساں ہیں میری آہ سے | طفلانِ ناداں اک طرف، پیرانِ دانا اک طرف

واماندہ راہِ عشق پر جب بے خودی میں چل پڑے | منزل پہ سب نقدی گئی، صحرا نے لوٹا اک طرف

دل میں ہجومِ دردوغم، آنکھوں میں سیلابِ بلا | اندوہِ پنہاں اک طرف، آشوبِ پیدا اک طرف

لانا نہ میری لاش پر، وہ سن کے گھبرا جائے گا | اپنوں کا شیون اک طرف، غیروں کا غوغا اک طرف

مستانہ خود پہ جلوہ گر اور آئینہ پیشِ نظر | کر رحم اپنے آپ پر، رکھ میرا دکھڑا اک طرف

غالب نہ دے تسکیں مجھے مرتا ہوں دردِ ہجر سے

ہے اک طرف رشکِ عدو، فرطِ تمنا اک طرف

شدم سپاسِ گذارِ خود از شکایتِ شوق
ز ہے زمن بدلِ بے غمش سرایتِ شوق

بہ بزمِ بادہ گریباں کشودنش بنگر
خوشا بہانۂ مستی ، خوشا رعایتِ شوق

ہرآں غزل کہ مرا خود بہ خاطراست ہنوز
بہ بانگِ چنگ ادا می کند ز غایتِ شوق

دخاں ز آتشِ یاقوت گر دمد عجب است
عجب تراست ازیں برلبش حکایتِ شوق

غلط کند رہ و آید بہ کلبہ ام ناگاہ
صنم فریب بود شیوۂ ہدایتِ شوق

متاعِ کاسدِ اہلِ ہوس بہم برزن
کنوں کہ خود شدۂ شحنۂ ولایتِ شوق

بخود مناز و بہ آموزگار ہم بپذیر
من و نہایتِ عشق و تو و بدایتِ شوق

ترا ز پرسشِ احباب بے نیاز کند
غرورِ یکدلی و نازشِ حمایتِ شوق

سرِ تو سبز تر از حرفِ غالب است بدہر
خجستہ باد بفرقِ تو ظلِّ رایتِ شوق

مرد آن کہ در ہجومِ تمنا شود ہلاک
از رشکِ تشنۂ کہ بہ دریا شود ہلاک

گردم ہلاکِ فرّۂ فرجامِ رہروے
کاندر تلاشِ منزلِ عنقا شود ہلاک

نازم بکشتۂ کہ چو باید دوبارہ عمر
در عذرِ التفاتِ مسیحا شود ہلاک

دارم بہ کنجِ غمکدہ رشکِ کسے کہ او
در جلوہ گاہِ دوست بہ غوغا شود ہلاک

باعاشق امتیازِ تغافل نشان دہد
تاخود ز شرمِ شکوۂ بے جا شود ہلاک

با خضر گر نمی روم از بیمِ ناکسی ست
ترسم ز ننگِ ہمرہیِ ما شود ہلاک

منمائے رخ بما کہ بہ دعویٰ نشستہ ایم
در خلوتے کہ ذوقِ تماشا شود ہلاک

کہ یار کے دلِ بےغم میں ہے سرایتِ شوق
یہ رنگ لائی ہے دیکھو مری شکایتِ شوق

وہ بزمِ مے میں گریباں کو کھولنا اس کا
زہے بہانۂ مستی، خوشا رعایتِ شوق

غزل بھی وہ کہ جواب تک نہیں کہی میں نے
سنائے چنگ پہ مجھ کو صنم بہ غایتِ شوق

عجیب آتشِ یاقوت کا دھواں ہے مگر
عجیب تر ہے لبوں پر ترے حکایتِ شوق

وہ راہ بھول کے ناگاہ میرے گھر آیا
صنم فریب ہے کیا شیوۂ ہدایتِ شوق

متاعِ کاسدِ اہلِ ہوس کو برہم کر
ہوا ہے خود ہی جو تو شحنۂ ولایتِ شوق

نہ بے نیاز ہو ہم جیسے پختہ کاروں سے
کہ ابتدا ہے تری اور یہاں نہایتِ شوق

نہ تجھ کو پرسشِ احباب سے کرے غافل
کسی کی چاہ میں بڑھنا ترا بہ غایتِ شوق

ہو دلکشی میں زیادہ وہ شعرِ غالب سے
جو فرقِ یار پہ لہرائے ظلِّ رایتِ شوق

کامل ہے وہ جو فرطِ تمنا سے ہو ہلاک
یا تشنگی میں ساحلِ دریا سے ہو ہلاک

اس گرم رو کے عزم پہ قربان جاؤں جو
فکرِ تلاشِ منزلِ عنقا سے ہو ہلاک

وہ نازِ کشتگاں ہے جو پا کر دوبارہ عمر
خود عذرِ التفاتِ مسیحا سے ہو ہلاک

ہے کنجِ غم میں رشک تو اس شیفتہ پہ جو
بزمِ صنم میں شوق کے غوغا سے ہو ہلاک

عاشق کو امتیازِ تغافل دیا ہے یوں
تا کہ وہ شرمِ شکوۂ بےجا سے ہو ہلاک

ڈرتا ہوں داغِ ننگ نہ ہو میری ہمرہی
اور خضر خود ہی فکرِ مداوا سے ہو ہلاک

رخ مت دکھا کہ زعم سے بیٹھا ہے کنج میں
زاہد کہیں نہ ذوقِ تماشا سے ہو ہلاک

غالب ستم نگر کہ چو ولیم فریزرے
زینساں بہ چہرہ دستیِ اعدا شود ہلاک

سبک روحم ، بود بارِ من اندک چرا نشماری آزارِ من اندک
ازیں پرسش کہ بسیار است از تو شد اندوہِ دلِ زارِ من اندک
ہمانا زان حکایت ھا کہ دارم شنیدستی ز غمخوارِ من اندک
ز خاصانت گرامی گوہرے ہست کہ می داند ز اسرارِ من اندک

نگوئم تا نباشد نغز غالب
چہ غم گر ہست اشعارِ من اندک

اے ترا و مرا درین نیرنگ دھن و چشم و دست و دل ہمہ تنگ
ہم تو خود در کمینِ خویشتنی اے بہ رخ ماہ و اے بہ خوی پلنگ
ہان مغنی کہ در ہوائے شراب می سرائی غزل بہ نالۂ چنگ
زخمہ می ریز ہم بدیں انداز نغمہ می سنج ہم بدیں آہنگ
فرصت باد ساقیِ چالاک اے بہ دفعِ غم ایزدی سرہنگ
شیشہ بشکن ، قدح بہ خم درزن تا نگنجد دریں میانہ درنگ
شود انبان ادیم ، کو آن فیض گردد اندوہ نشاط ، کو آن رنگ
پرتوِ خاص در نہادِ سہیل بادۂ ناب در دیارِ فرنگ

شکوہ و شکر ہرزہ و باطل
غالب و دوست آبگینہ و سنگ

غالب ستم یہ ہے یہ کہ فریزر سا آدمی
اس طرح چیرہ دستیِ اعدا سے ہو ہلاک

سبک رو ہم، ہمارے بار تھوڑے ستم ڈھا، اور نہ دے آزار تھوڑے
تری بسیار پرسش سے ستمگر ہوئے ہیں کچھ مرے آزار تھوڑے
بہت سے ہیں فسانے گو ہمارے سناتے ہیں مگر غمخوار تھوڑے
گرامی قدر بندے بھی خدایا سمجھتے ہیں مرے اسرار تھوڑے
نہ کہیو جز کلامِ نغز غالب
بلا سے ہوں ترے اشعار تھوڑے

کیا قیامت ہے ہم پہ یہ نیرنگ دہن و چشم و دست و دل سب تنگ
کیوں ہے تو اپنی گھات میں ہر دم مہ لقا نازنیں بخوئے پلنگ
اے مغنیِ بزمِ اہلِ نشاط چھیڑ دے اک غزل بہ نالۂ چنگ
تیری مضراب سے نکھر جائے نغمہ سنجی کا دلربا آہنگ
تو سلامت رہے مرے ساقی دفع کر غم کو، ایزدی سرہنگ
توڑ شیشے کو ، خم میں ساغر ڈال اب کہاں ہے کسی کو تابِ درنگ
بوریے کو بنائے جو بستر اور غم کو خوشی، کہاں وہ رنگ
خاص پرتو سہیل کا جیسے مے اسی طرح نازِ ملکِ فرنگ
شکوہ بے کار، شکر بے معنی
غالب آئینہ اور دلبر سنگ

نہ مرا دولتِ دنیا، نہ مرا اجرِ جمیل — نہ چو نمرود توانا، نہ شکیبا چو خلیل

بارقیباں کفِ ساقی بہ مے نابِ کریم — باغریباں لبِ جیحوں بہ دمے آب بخیل

بُنہ و بار بہ شب گیر در افگندہ براہ — آنکہ دانست سراسیمگیِ صبحِ رحیل

ہاں و ہاں اے گہریں پارہ وسیمیں ساعد — کز دمِ تیغ بہ لیسی بہ زباں خونِ قتیل

بس کن از عربدہ تا چند ربائی بفسوس — از گدایان سر و از تارکِ شاہاں اکلیل

تو نباشی دگرے کوئے تو نبود چمنے — کے شدستیم بہ دلتنگیِ جاوید کفیل

ترس موقوف، چہ شد رشک، نبینی کہ دگر — دارم آہنگِ نیایشگریِ ربِّ جلیل

اے بہ مسمارِ قضا دوختہ چشمِ ابلیس — بہ دمِ گرم رواں سوختہ بالِ جبریل

با تو ام خرمیِ خاطرِ موسیٰ برطور — با خودم خستگیِ لشکرِ فرعون بہ نیل

بر کمالِ تو در اندازہ کمالِ تو محیط — بر وجودِ تو در اندیشہ وجودِ تو دلیل

نہ کنی چارہ لبِ خشکِ مسلمانے را — اے بہ ترسا بچگاں کردہ مے ناب سبیل

غالبِ سوختہ جاں را چہ بگفتار آری
بدیارے کہ ندانند نظیری ز قتیل

گفتم زشادی نبودم گنجیدن آساں دربغل — تنگم کشید از سادگی در وصل جاناں دربغل

نازم خطر ورزیدنش، واں ہرزہ دل لرزیدنش — چینے بہ بازی برجبیں، دستے بدستاں دربغل

آہ از تنک پیراہنی کافزوں شدش تر دامنی — تاخوے بروں داد ازحیا، گردید عریاں دربغل

دانش بہ مے در باختہ، خود رازِ من نشناختہ — رخ در کنارم ساختہ از شرمِ پنہاں دربغل

نہ ملی دولتِ دنیا، نہ مجھے اجرِ جمیل
نہ توانائیِ نمرود، نہ ایثارِ خلیل

لطفِ ساقی سے رقیبوں پہ مئے ناب ارزاں
اور غریبوں کے لئے ہے لبِ جیحوں بھی بخیل

ڈال دے سامنے رہزن کے وہ سازوساماں
ہو جو دانائے سراسیمگیِ صبحِ رحیل

ہے غضب اے گہریں پارہ وسیمیں ساعد
تیغ سے چھلکا لبوں پر اثرِ خونِ قتیل

باز آ جور سے، چھوڑے نہ ستم نے تیرے
دوشِ مسکین پہ سر، تارکِ شہ پر اکلیل

تو رہے گا نہ ترا کوچہ چمن کی صورت
کس لئے ہم رہیں دل تنگیِ دائم کے کفیل

ہے یہ حیرت کہ تجھے اس کا بھی کچھ رنج نہیں
ہوں میں مائل بہ نیایشگریِ ربِّ جلیل

اے کہ ہے کور قضا سے تری چشمِ ابلیس
سوختہ عشق کی پرواز سے بالِ جبریل

قرب سے تیرے مجھے راحتِ موسیٰ برطور
غرق ہوں خود میں تو ہم قسمتِ فرعون بہ نیل

تیری یکتائی کا اندازہ تری یکتائی
تیری ہستی پہ فقط ہے تری ہستی ہی دلیل

بے نیازی سے مسلمان رہے تشنہ دہن
اور عطا سے تری مشرک پہ مئے ناب سبیل

غالبِ خستہ کو واں زحمتِ گفتار نہ دے
کوئی جانے نہ جہاں فرقِ نظیری و قتیل

''کیسے سماؤں گا خوشی سے میں بھلا آغوش میں''
سنتے ہی سادہ دل نے یہ بھینچا مجھے آغوش میں

مجھ کو ڈارنے کے لئے وہ اپنے سائے سے ڈرے
اور پھر پریشاں ہو کے دونوں ہاتھ لے آغوش میں

شرم وحیا میں ڈوب کر، بھیگے جب اس کا پیرہن
عریانی اپنی دیکھ کر، وہ آ چھپے آغوش میں

نشے میں اس کا ڈوبنا، فرقِ من وتو بھولنا
شرمانا پھر وہ آپ سے چہرے کو دے آغوش میں

تا پاس دار دخویش را، مے در گریباں ریختے — خستے چو رفتے زاں میش گل از گریباں در بغل

گاہم بہ پہلو خفتہ خوش بستے لب از حرف وسخن — گاہم ببازو ماندہ سر سودے زنخداں در بجل

مے خوردہ در بستاں سرامستانہ گشتے سو بسو — خود سایۂ اورا از وصد باغ وبستاں در بغل

ناخواندہ آمد صبح گہ، بندِ قبایش بے گرہ — واندر طلب منشورِ شہ نکشودہ عنواں در بغل

ہاں غالب خلوت نشیں، بیے چناں، عیشے چنیں
جاسوسِ سلطاں درکمیں، مطلوبِ سلطاں در بغل

تن بر کرانہ ضائع، دل درمیانہ غافل — چوں غرقۂ کہ مانند رختش بسوئے ساحل

داغم بہ شعلہ زائی اندازِ برقِ خاطف — سعیم بہ نارسائی پروازِ مرغِ بسمل

فرسودہ گشت پایم از پویہ ہائے ہرزہ — آشفتہ شد دماغم ز اندیشہ ہائے باطل

ہم در خمارِ دوشیں حالم تبہ بہ صحرا — ہم در بہائے صہبا رختم گرو بہ منزل

شمعم ز رو سیاہی داغِ جبینِ خلوت — چنگم ز بے نوائی ننگِ بساطِ محفل

رازِ تو در نہفتن تبخالہ ریخت برلب — تیرِ تو در گزشتن پیکاں گداخت در دل

نظّارہ با ادایت موسیٰ و طورِ سینا — اندیشہ با بلایت ہاروت و چاہِ بابل

بامن نمودہ مجنوں بیعت بہ فنِ سودا — بر تو فشاندہ لیلیٰ زیور ز طرفِ محمل

غالب بہ غصہ شادم، مرگم بخویش آساں
در چارہ نامرادم، کارم ز دوست مشکل

نشے سے بچنے کے لئے الٹی گریباں میں شراب
جو گل تھے زیب پیرہن سب جا گرے آغوش میں

پہلو میں خوش سوئے کبھی، خاموش ہو جائے کبھی
بازو پہ رکھے اپنا سر، چہرہ ملے آغوش میں

بستاں سرا میں پی کے مے وہ مائلِ گلگشت ہو
اور ساتھ ہو سایہ رواں، گلشن لئے آغوش میں

ناگاہ آئے صبحدم بندِ قبا کھولے ہوئے
اپنی طلب میں شاہ کا فرماں لئے آغوش میں

غالب ہوئے خلوت نشیں، کس خوف میں، کس عیش میں
ہے گھات میں جاسوسِ شہ، محبوبِ شہ آغوش میں

خشکی پہ جسمِ بے جاں، دل درمیانہ غافل
ڈوبے ہوئے کا ساماں جیسے کنارِ ساحل

ہے داغ میرے دل کا تمثالِ برقِ خاطف
کوشش کی نارسائی پروازِ مرغِ بسمل

واماندہ ہو گیا ہوں بیکار چلتے چلتے
آشفتہ کر چکے ہیں اندیشہ ہائے باطل

صحرا میں لے کے آیا مجھ کو خمارِ دوشیں
جامِ صبح کے بدلے ساماں گرو بہ منزل

خلوت میں میری شمع ہے داغِ رو سیاہی
بے نغمہ چنگ میرا، ننگِ بساطِ محفل

اخفائے رازِ غم سے چھالے پڑے ہیں لب پر
پیکاں کے ٹوٹنے سے شق ہو گیا مرا دل

نظارے کی نہایت موسیٰ و طور سینا
اندیشے کی قیامت ہاروت و چاہِ بابل

مجنوں نے کی ہے بیعت دیوانگی میں مجھ سے
لیلیٰ نے پھینکے زیور تجھ پہ زطرفِ محمل

اندوہِ غم میں غالب ہے موت مجھ پہ آساں
امیدِ چارہ سازی اس مہرباں سے مشکل

رفتم کہ کہنگی ز تماشا برافگنم　　در بزمِ رنگ و بو نمطے دیگر افگنم

در وجدِ اہلِ صومعہ ذوقِ نظارہ نیست　　ناہید را بہ زمزمہ از منظر افگنم

معشوقہ را ز نالہ بدانساں کنم حزیں　　کز لاغری ز ساعدِ او زیور افگنم

ہنگامہ را جحیم جنوں بر جگر زنم　　اندیشہ را ہوائے فسوں درسر افگنم

نخلم کہ ہم بجاے رطب طوطی آورم　　ابرم کہ ہم بروے زمیں گوہر افگنم

با غازیاں ز شرحِ غمِ کارزارِ نفس　　شمشیر را بہ رعشہ ز تن جوہر افگنم

با دیریاں ز شکوۂ بیدادِ اہلِ دیں　　مہرے ز خویشتن بہ دلِ کافر افگنم

ضعفم بہ کعبہ مرتبۂ قربِ خاص داد　　سجادہ گستری تو و من بستر افگنم

تا بادہ تلخ تر شود و سینہ ریش تر　　بگدازم آبگینۂ و در ساغر افگنم

راہے ز کنجِ دیر بہ مینو کشادہ ام　　از خُم کشم پیالہ و در کوثر افگنم

منصورِ فرقۂ علی اللّٰہیان منم　　آوازۂ ''انااسداللّٰہ'' در افگنم

ارزندہ گوہرے چومن اندر زمانہ نیست　　خود را بخاکِ رہگذرِ حیدر افگنم

غالب بہ طرحِ منقبتِ عاشقانۂ
رفتم کہ کہنگی ز تماشا برافگنم

برلب یا علی سرائے بادہ روانہ کردہ ایم　　مشربِ حق گزیدہ ایم، عیشِ مغانہ کردہ ایم

بو کہ بہ حشو بشنوی قصۂ ما و مدعیٰ　　تازہ ز روایدادِ شہر طرحِ فسانہ کردہ ایم

بادہ بوام خوردہ و زر بہ قمار باختہ　　وہ کہ زہرچہ ناسزاست ہم بسزانہ کردہ ایم

یوں کہنگی کا نقش جہاں سے مٹاؤں میں
اک طرزِ نو سے محفلِ ہستی سجاؤں میں

بے لذتِ نظارہ ہے یہ وجدِ خانقاہ
نغمے سے اپنے رقص میں زہرہ کو لاؤں میں

نالوں سے اپنے کر کے اُسے لاغر و حزیں
معشوقہ کی کلائی سے زیور گراؤں میں

ہنگامۂ حیات کو دوں آتشِ جنوں
شعر و سخن میں فکر کا جادو جگاؤں میں

ہوں نخل جس پہ طوطی کی چہکار ہے رطب
وہ ابر ہوں کہ کھیت پہ گوہر لٹاؤں میں

جب کارزارِ نفس کا میں ماجرا کہوں
غازی کی تیغِ تیز سے جوہر گراؤں میں

بیدادِ اہلِ دیں کا کروں شکوہ اس طرح
کافر کے دل میں دردِ محبت جگاؤں میں

حاصل ہوا ہے ضعف سے کعبے میں قربِ خاص
سجادہ تُو بچھائے تو بستر بچھاؤں میں

*زخمی کچھ اور سینہ کروں، بادہ اور تلخ
پگھلا کے آبگینے کو ساغر میں ڈال دوں

*جنت کی راہ میں نے نکالی ہے دیر سے
بھر کر پیالے خم سے میں کوثر میں ڈال دوں

منصورِ فرقۂ علی اللّٰہیاں ہوں میں
آوازۂ ''انا اسداللّٰہ'' اٹھاؤں میں

مجھ سا نہیں ہے گوہرِ نایاب دہر میں
حیدر کی خاکِ راہ میں خود کو مٹاؤں میں

غالب غزل کے رنگ میں اک منقبت کہوں
یوں نقش کہنگی کا جہاں سے مٹاؤں میں

لب پہ شرابِ ناب ہے نعرۂ یا علی کے ساتھ
عیشِ مغانہ مل گیا ہم کو حق آگہی کے ساتھ

تا کہ وہ پہنچے تجھ تلک، ہم نے کیا ہے مشتہر
اپنا فسانۂ الم، قصۂ مدعی کے ساتھ

پی کے شراب قرض پر، ہارے جوئے میں سارا زر
کوئی بھی خوش دلی کی بات کر نہ سکے خوشی کے ساتھ

*ان اشعار کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ردیف کی تبدیلی ضروری تھی۔

نالہ بہ لب شکستہ ایم، داغ بہ دل نہفتہ ایم — دولتیانِ ممسکیم، زر بہ خزانہ کردہ ایم
تا بہ چہ مایہ سر کنیم نالہ بہ عذرِ بے غمی — از نفس آنچہ داشتیم صرفِ ترانہ کردہ ایم
ناخنِ غصہ تیز شد، دل بستیزہ خوگرفت — تا بخود اوفتادہ ایم از تو کرانہ کردہ ایم

غالب از آنکہ خیر و شر جز بقضا نبودہ است
کارِ جہاں ز پُر دلی بے خبرانہ کردہ ایم

تا فصلے از حقیقتِ اشیا نوشتہ ایم — آفاق را مرادفِ عنقا نوشتہ ایم
ایماں بہ غیب تفرقہ ہا رُفت از ضمیر — ز اسما گذشتہ ایم و مسمّٰی نوشتہ ایم
عنوان را ز نامۂ اندوہ سادہ بود — سطرِ شکستِ رنگ بہ سیما نوشتہ ایم
قلزم فشانیِ مژہ از پہلوئے دل است — ایں ابر را برات بہ دریا نوشتہ ایم
خاکے بروئے نامہ نیفشاندہ ایم ما — رخصت بداں حریفِ خود آرا نوشتہ ایم
در ہیچ نسخہ معنیِ لفظِ امید نیست — فرہنگ نامہ ہائے تمنّا نوشتہ ایم
آیندہ و گذشتہ تمنّا و حسرت است — یک ''کاشکے'' بود کہ بہ صد جا نوشتہ ایم
دارد رخت بہ خونِ تماشا خطے ز حسن — روشن سوادِ ایں ورقِ نا نوشتہ ایم
رنگِ شکستہ عرضِ سپاسِ بلائے تست — پنہاں سپردۂ غم و پیدا نوشتہ ایم
آغشتہ ایم ہر سرِ خارے بہ خونِ دل — قانونِ باغبانیِ صحرا نوشتہ ایم
کویت ز نقشِ جبہۂ ما یک قلم پُر است — لختے سپاسِ ہمدمیِ پا نوشتہ ایم

غالب الف ہماں علمِ وحدتِ خود است
بر لا چہ بر فزود گر اِلا نوشتہ ایم

آہ و فغاں کو روک کر، سب سے چھپا کے دل کے داغ — لگتے ہیں کتنے مطمئن اپنے غمِ خفی کے ساتھ

نالہ کروں تو کس طرح جب کہ بہ عذرِ بے غمی — گائے ترانہ ہائے شوق پھیکی سی اک خوشی کے ساتھ

ناخنِ رنجِ دل خراش، اُلجھے ہیں اپنے آپ سے — تجھ سے کنارہ کش ہوئے دردِ خود آگہی کے ساتھ

غالب ہے چونکہ خیر و شر سبھی قضا پہ منحصر
اچھے برے تمام کام کرتے ہیں خوشدلی کے ساتھ

ہم نسخۂ حقیقتِ اشیا لکھا کئے — آفاق کو مرادفِ عنقا لکھا کئے

ایماں نے دھوئے تفرقے لوحِ ضمیر سے — اسما سے ہم گزر کے مسمّیٰ لکھا کئے

اپنے غمِ نہاں کا جو عنواں نہ تھا کوئی — سطرِ شکستِ رنگ بہ سیما لکھا کئے

پہلوئے دل سے آنکھ میں آیا سحابِ غم — قسمت میں اس کی موجۂ دریا لکھا کئے

ہم نے جواب اس کو نہ دے کر دیا جواب — یوں رخصتِ حریفِ خود آرا لکھا کئے

ہر نسخہ لفظ و معنیٔ امید سے تہی — فرہنگ نامہ ہائے تمنا لکھا کئے

ماضی تمام حسرت و مستقبل آرزو — ''اے کاش ایسا ہوتا'' یہ ہر جا لکھا کئے

ہے خونِ دل سے چہرے پہ تیرے یہ خطِ حسن — تابندہ روشنائی سے کیا کیا لکھے کئے

تیرے الم کی دین ہے یہ رنگ اڑا ہوا — پنہاں ملا جو تجھ سے ہویدا لکھا کئے

رنگین خونِ دل سے ہر اک نوکِ خار ہے — قانونِ باغبانیٔ صحرا لکھا کئے

اپنے نقوشِ سجدہ سے پُر ہے تری گلی — ہم یوں سپاسِ ہمدمیٔ پا لکھا کئے

غالب الف کہ وحدتِ حق کا بنا علم
تھا 'لا' پہ مستزاد جب 'الّا' لکھا کئے

گم گشتہ بکوئے تو نہ دل، بلکہ خبر ہم
در لرزہ ز خوے تو نہ دم، بلکہ اثر ہم

در آئینہ باخویش طرف گشتۂ امروز
ہاں تیغ نگہدار بینداز سپر ہم

دیدیم کہ مے مستیِ اسرار ندارد
رفیتم و فشردیم بہ پیمانہ جگر ہم

تا حسن بہ بے پردگیِ جلوہ صلا داد
دیدیم کہ چوتارے ز نقاب است نظر ہم

چونست کہ در عرصۂ دہر اہلِ دلے نیست
در بحر کف و موج و حبابست و گہر ہم

اسکندر و سرچشمۂ آبے کہ زلال ست
ما و لبِ لعلے کہ شرابست و شکر ہم

آں خانہ بر انداز بہ دل پردہ نشیں ست
اے دیدہ تو نامحرمی و حلقۂ در ہم

تا بندِ نقابِ کہ کشودست کہ غالب
رخسارہ بہ ناخن صلہ دادیم و جگر ہم

جلوۂ معنی بہ جیبِ وہم پنہاں کردہ ایم
یوسفے در چارسوئے دہر نقصاں کردہ ایم

پشت برکوہست طاقت تکیہ تا بر رحمت است
کار دشوار است و ما برخویش آساں کردہ ایم

رنگ ہا چوں شد فراہم مصرفے دیگر نداشت
خلد را نقش و نگارِ طاقِ نسیاں کردہ ایم

میکساراں قحط و ما بے صبر، عشرت مفت کیست
بادۂ ما تا کہن گردید ارزاں کردہ ایم

زاہد از ما خوشۂ تاکے بہ چشمِ کم مبیں
ھے نمی دانی کہ یک پیمانہ نقصاں کردہ ایم

مے دہد چشمش بہ یک پیمانہ ہر مے خوار را
عشوۂ ساقی بہ کارِ کفر وایماں کردہ ایم

غالب از جوشِ دمِ ما تربتش گل پوش باد
پردۂ سازِ ظہوری را گل افشاں کردہ ایم

گم گشتہ تری راہ میں دل بلکہ خبر بھی
ہے آہ بھی لرزاں تیری ہیبت سے اثر بھی

تم آئینے میں آج ہوئے اپنے مقابل
تلوار رکھو نیام میں اور پھینکو سپر بھی

جب دیکھا نہیں مے میں کوئی مستیِ اسرار
پیمانے میں ہم جا کے نچوڑ آئے جگر بھی

بے پردگیِ جلوہ کی جب اس نے صلا دی
دیکھا کہ ہے اک تارِ نقاب اپنی نظر بھی

کیوں صاحبِ دل ایک نہیں روئے زمین پر
ہیں بحر میں جب موج وحباب اور گہر بھی

واں آبِ بقا اور سکندر کے فسانے
میں اور لبِ لعل کہ مے بھی ہے شکر بھی

ہے پردہ نشیں دل میں، اُسے دیکھئے کیسے
نامحرمِ جلوہ ہے نظر، حلقہء در بھی

غالب جو نقابِ رخِ جاناں پہ پڑا ہاتھ
ناخن سے کھرونچا کیے رُخ بلکہ جگر بھی

وہم وظن میں جلوۂ معنی کو پنہاں کر دیا
حسنِ یوسف کا سرِ بازار نقصاں کر دیا

تیری رحمت کے سہارے استقامت مل گئی
کام تھا دشوار ہم نے خود پہ آساں کر دیا

جب کوئی مصرف نہ پایا رنگ کی افراط کا
خلد کو نقش ونگارِ طاقِ نسیاں کر دیا

قحطِ بادہ خواراں، بےصبری ہمیں، لے جاؤ مفت
اس مئے کہنہ کا ہم نے نرخ ارزاں کر دیا

کم نہ زاہد جان اسے، یہ خوشۂ انگور ہے
تیری خاطر ہم نے اک ساغر کا نقصاں کر دیا

ایک جنبش سے نظر کی مست ہر مے خوار ہے
عشوۂ ساقی نے کارِ کفر وایماں کر دیا

ڈال کر غالب سخن کے پھول اس کی قبر پر
پردۂ سازِ ظہوری کو گل افشاں کر دیا

می ربایم بوسہ و عرضِ ندامت می کنم
اختراعے چند در آدابِ صحبت می کنم

سنگ وخشت از مسجدِ ویرانہ می آرم بہ شہر
خانۂ در کوے ترسایاں عمارت می کنم

کردہ ام ایمانِ خود را دستمزدِ خویشتن
مے تراشم پیکر از سنگ و عبادت می کنم

چشمِ بد دور، التفاتے در خیال آوردہ ام
ہر چہ دشمن مے نکد با دوست نسبت می کنم

دستگاہِ گل فشانی ہاے رحمت دیدہ ام
خندہ بر بے برگیِ توفیقِ طاعت می کنم

غالبم غالبؔ ہم آئین برنتابم در سخن
بزم برہم مے زنم چنداں کہ خلوت می کنم

بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم
قضا بہ گردشِ رطلِ گراں بگردانیم

زچشم و دل بہ تماشا تمتع اندوزیم
زجان و دل بہ مدارا زیاں بگردانیم

بہ گوشۂ بنشینیم و درفراز کنیم
بہ کوچہ برسرِ رہ پاسباں بگردانیم

اگر زشحنہ بود گیرودار نندیشیم
وگر ز شاہ رسد ارمغاں، بگردانیم

اگر کلیم شود ہمزباں سخن نکنیم
وگر خلیل شود میہماں بگردانیم

گُل افگنیم و گلابی بہ رہ گذر پاشیم
مے آوریم و قدح درمیاں بگردانیم

ندیم و مطرب و ساقی ز انجمن رانیم
بہ کاروبار زنِ کارداں بگردانیم

گہے بہ لابہ سخن با ادا بیامیزیم
گہے بہ بوسہ زبان در دہاں بگردانیم

نہیم شرم بیک سُوے و باہم آویزیم
بہ شوخیِ کہ رُخِ اختراں بگردانیم

ز جوشِ سینہ سحر را نفس فرو بندیم
بلائے گرمیِ روز از جہاں بگردانیم

لے کے بوسہ ہم نے اظہارِ ندامت کر دیا　　معذرت کو شاملِ آدابِ صحبت کر دیا

مسجدِ ویراں سے سنگ وخشت لائے شہر میں　　کوچۂ کافر میں پھر اک گھر عمارت کر دیا

اپنے ہی ہاتھوں سے کی تکمیلِ ذوقِ بندگی　　بُت تراشا اور خود سامانِ طاعت کر دیا

التفاتِ یار کی تدبیر یہ سوجھی ہمیں　　جورِ دشمن کو غمِ جاناں سے نسبت کر دیا

گل فشانی ہائے رحمت کی بہاریں دیکھ کر　　خواہشِ زہد وورع کو دل سے رخصت کر دیا

غالبِ یکتا نے پایا جب نہ کوئی ہم سخن

کر کے برہم بزم کو سامانِ خلوت کر دیا

چلو کہ قاعدۂ آسماں بدل ڈالیں　　ستارہ اپنے مقدر کا آج خود ڈھالیں

تماشا وہ کہ دل و چشم سیر ہو جائیں　　وصال وہ کہ تن و جاں مراد سب پا لیں

کواڑ بند کریں، بیٹھ جائیں گوشہ میں　　گلی کے پہرے پہ ہم پاسباں کو لگوا دیں

نہ گیرو دار کا اندیشہ دل میں آنے دیں　　نہ ارمغانِ شئہ وقت پر نظر ڈالیں

اگر کلیم کہے کچھ تو اَن سنی کر دیں　　خلیل آئے جو ملنے تو اُس کو لوٹا دیں

گل و گلاب سے مہکائیں رہگزر ساری　　شرابِ ناب سے اپنے لہو کو گرما لیں

ندیم ومطرب و ساقی کو پھر کریں رخصت　　کنیز کو بھی کسی مشغلے میں اُلجھا دیں

ہر التماس میں خواہش کی شوخیاں بھر کے　　زبان سے دہنِ یار کا مزا پا لیں

حجاب چھوڑ کے لپٹیں کچھ اس طرح باہم　　کہ تارے شرم سے خود اپنا رخ بدل ڈالیں

وہ جوشِ سینہ ہو گھٹ جائے سانس صبح کا　　طلوعِ شمس کو اس طرح آج رکوا دیں

بہ وہمِ نشب ہمہ را در غلط بیندازیم | زنیمہ رہ رمہ را با شباں بگردانیم
بہ جنگ باج ستانانِ شاخسارے را | تہی سبد ز درِ گلستاں بگردانیم
بہ صلح بال فشانانِ صبح گاہی را | زشاخسار سوئے آشیاں بگردانیم
ز حیدریم من و تو ز ما عجب نبود | گر آفتاب سوئے خاوراں بگردانیم

بہ من وصالِ تو باور نمی کند غالب
بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم

در ہر انجامِ محبت طرحِ آغاز افگنم | مہر بردارم ازو تاہم بر او باز افگنم
ہم زبانم با ظہوری مطلع کوتا زِ شوق | با جرس در نالہ آوازے برآواز افگنم
از نمک جاں درتنِ طرزِ نکویاں کردہ ایم | زیں سپس در مغزِ دعوی شورِ اعجاز افگنم
ترکِ صحبت کردم و دربندِ تکمیل خودم | نغمہ ام جاں گشت، خواہم درتنِ ساز افگنم
بگسلم بند و دہم اوراقِ دیواں را بباد | خیلِ طوطی اندریں گلشن بہ پرواز افگنم

غالب از آب و ہوائے ہند بسمل گشت نطق
خیز تا خود را بہ اصفاہان و شیراز افگنم

خوش بود فارغ ز بندِ کفر وایماں زیستن | حیف کافر مردن و آوخ مسلماں زیستن
شیوۂ رندانِ بے پروا خرام از من مپرس | ایں قدر دانم کہ دشوارست آساں زیستن
برد گوئے خرمی از ہر دو عالم ہر کہ یافت | در بیاباں مردن و در قصر وایواں زیستن

گمانِ شب میں کریں غرق سارے عالم کو
سحر کے قافلے کو نیم رہ سے لوٹا دیں

جو صبح آتے ہیں چننے کو پھول شاخوں سے
انہیں چمن سے یونہی خالی ہاتھ بھجوا دیں

جو پھڑ پھڑاتے ہیں پر اپنے صبح شاخوں پر
کسی بہانے انہیں آشیاں میں پہنچا دیں

ہم حیدری ہیں جو دونوں تو کیا عجب اس میں
کہ آفتاب کو خطِ افق سے لوٹا دیں

ہمارے وصل کا غالب کو اعتبار نہیں
چلو کہ ہم روشِ آسماں بدل ڈالیں

ہے یہی آغازِ نو کا بعدِ ہر انجام راز
چھوڑ کر اس کو، دوبارہ کر درِ الفت کو باز

ہم زبانی کی تمنا کا عجب اعجاز ہے
میرا ہر اک شعر آہنگِ ظہوری کا ہے ساز

کاملوں کے طرز میں دے کر نمک کی چاشنی
در کیا اعجازِ فن کا پھر سخن نے میرے باز

محوِ تکمیلِ خودی ہوں ترکِ صحبت کر کے میں
ہو گا اب ہر شعر نغمہ اور نغمہ جانِ ساز

ہاں بکھیر اس طرح شیرازہ مرے دیوان کا
مثلِ طوطی ہر ورق گلشن میں ہو نغمہ طراز

ہند سے غالب چلا سوئے عجم ہو گا جہاں
اہلِ شیراز و صفاہاں کو سخن پہ اس کے ناز

گر چہ ہے آساں ورائے کفر و ایماں زندگی
مرگِ کافر بے اماں، مثلِ مسلماں زندگی

کچھ نہ پوچھو شیوۂ رندانِ بے پروا خرام
بس یہی جانو کہ ہے دشوار آساں زندگی

کامیابِ دو جہاں ہے وہ جسے حاصل ہوئی
موت ویرانے میں اور ایواں میں شاداں زندگی

راحتِ جاوید ترکِ اختلاطِ مردمست
چوں خضر باید زچشمِ خلق پنہاں زیستن

تاچہ راز اندر تہِ ایں پردہ پنہاں کردہ اند
مرگ مکتوبے بود کو راست عنواں زیستن

روزِ وصلِ یار جاں دہ ورنہ عمرے بعد ازیں
ہمچوں ما از زیستن خواہی پشیماں زیستن

بارقیباں ہم قنیم ' امّا بدعویٰ گاہِ شوق
مردنست از ما وزیں مشتے گرانجاں زیستن

برنویدِ مقدمت صد بار جاں باید فشاند
بر امیدِ وعدہ ات زنہار نتواں زیستن

دیدہ گر روشن سوادِ ظلمت ونورست' چیست
فارغ از اہریمن و غافل ز یزداں زیستن

ابتدالے دارد ایں مضمون' توارد عیب نیست
نگزرد در خاطرِ نازک خیالان زیستن

غالب از ہندوستاں بگریز' فرصت مفتِ تست
در نجف مردن خوشست و در صفاہاں زیستن

تا ز دیوانم کہ سرمستِ سخن خواہد شدن؟
ایں مے از قحطِ خریدارے کہن خواہد شدن

کوکبم را در عدم اوجِ قبولے بودہ است
شہرتِ شعرم بہ گیتی بعدِ من خواہد شدن

ہم سوادِ صفحہ مشکِ سودہ خواہد بیختن
ہم دواتم نافِ آہوئے ختن خواہد شدن

مطرب از شعرم بہ ہر بزمے کہ خواہد زد نوا
چاکہا ایثارِ جیبِ پیرہن خواہد شدن

حرف حرفم در مذاقِ فتنہ جا خواہد گرفت
دستگاہِ نازِ شیخ و برہمن خواہد شدن

ہے' چہ می گویم' اگر این است وضعِ روزگار
دفترِ اشعار بابِ سوختن خواہد شدن

آنکہ صورِ نالہ از شورِ نفس موزوں دمید
کاش دیدے کایں نشیدِ شوق فن خواہد شدن

کاش سنجیدے کہ بہرِ قتلِ معنی یک قلم
جلوۂ کلک و رقم دار و رسن خواہد شدن

صحبتِ آدم سے بچنا راحتِ جاوید ہے
خلق سے کرتے نہ ورنہ خضر پنہاں زندگی

جانے کیا کیا راز اس پردے کے پیچھے ہیں پنہاں
موت اک مکتوب پُراسرار، عنواں زندگی

نذرِ جاں دے روزِ وصلِ یار ورنہ عمر بھر
زندگانی سے گزارے گا پشیماں زندگی

ہے رقیبوں کو بہت دعویٰ پہ وقتِ امتحاں
موت ہے راحت ہماری، ان کا حرماں زندگی

تیرے آنے کی خوشی میں جان دیں سو بار ہم
پر نہیں ہے وعدۂ فردا پہ آساں زندگی

کیوں گزاریں نور و ظلمت کی حقیقت جان کر
اہرمن سے بے خطر، بے یادِ یزداں زندگی

بات ہے گو عام سی، کیا حرج دہرانے میں ہے
لائیں خاطر میں کہاں نازک خیالاں زندگی

چھوڑ ہندوستاں کو غالب، ہے بس اب یہ آرزو
موت ہو اپنی نجف میں، در صفاہاں زندگی

ہے کوئی جو ہو مرے دیوان سے مستِ سخن
گاہکوں کے قحط سے ہو جائے گی یہ مے کہن

تھا عدم میں میرے کوکب کو عجب حاصل فروغ
یاں بھی میرے بعد شہرت پائیگا میرا سخن

کم نہ ہو گی مشک سے خوشبو مری تحریر کی
اور دواتِ کلک ہو گی نافِ آہوئے ختن

مطربانِ خوش نوا چھیڑیں گے جب میری غزل
چاک ہو جائیں گے ہر محفل میں کتنے پیرہن

وہ مذاقِ فتنہ ہو گا میرے ہر اک شعر میں
اس کو اپنائیں گے حسبِ ذوق شیخ و برہمن

کیا کہا میں نے، نہ جانے کب یہ وضعِ روزگار
میرے سب اشعار کو ٹھہرائے وقفِ سوختن

کاش جس کے سوز سے نالے سخن میں ڈھل گئے
دیکھتا کہ شاعری رہ جائے گی بس ایک فن

کاش یہ بھی جانتا کہ قتلِ معنی کے لئے
ایک دن بن جائیں گے کلک و رقم دار و رسن

چشمِ کور آئینۂ دعویٰ بکف خواہد گرفت
دستِ شل مشاطۂ زلفِ سخن خواہد شدن

شاہدِ مضمون کہ اینک شہریِ جان ودلست
روستا آوارۂ کام و دہن خواہد شدن

زاغِ راغ اندر ہوائے نغمہ بال و پر زناں
ہمنوائے پردہ سنجانِ چمن خواہد شدن

شاد باش اے دل دریں محفل کہ ہر جا نغمہ ایست
شیونِ رنجِ فراقِ جان وتن خواہد شدن

ہم فروغِ شمعِ ہستی تیرگی خواہد گزید
ہم بساطِ بزمِ ہستی پرشکن خواہد شدن

از تب وتابِ فنا یکبارہ چوں مشتِ سپند
ہر یکے گرمِ وداعِ خویشتن خواہد شدن

حسن را از جلوۂ نازش نفس خواہد گداخت
نغمہ را از پردۂ سازش کفن خواہد شدن

دہر بے پروا عیارِ شیوہ ہا خواہد گرفت
داوری خوں در نہادِ ما ومن خواہد شدن

پردہ ہا از روے کارِ ہمدگر خواہد فتاد
خلوتِ گبر و مسلماں انجمن خواہد شدن

ہم بفرقش خاکِ حرمانِ ابد خواہند ریخت
مرگِ عام ایں بیستوں را کوہکن خواہد شدن

گردِ پندارِ وجود از رہگذر خواہد نشست
بحرِ توحیدِ عیانی موجزن خواہد شدن

در تۂ ہر حرف ' غالب ' چیدہ ام میخانۂ
تا ز دیوانم کہ سرمستِ سخن خواہد شدن

سرشکِ افشانیِ چشمِ ترش بیں
شہِ خوبان و گنجِ گوہرش بیں

ادائے دلستانی رفتہ از یاد
ہوائے جانفشانی در سرش بیں

صفائے تن فزوں تر کردہ رسوا
دل از اندیشہ لرزاں در برش بیں

بجا ماندہ عتاب و غمزہ و ناز
متاعِ ناروائے کشورش بیں

حسنِ گویائی کا آئینہ بنے گی چشمِ کور
دستِ شل بن جائے گا مشاطۂ زلفِ سخن

شاہدِ مضموں کہ ہے خلوت نشینِ جان و دل
وقف ہو گا وہ برائے لذّتِ کام و دہن

نغمہ آرائی کی دھن میں آج ہے جو زاغِ راغ
کل وہ ہو گا ہمنوائے پردہ سنجانِ چمن

ہاں غنیمت جان گر نغمہ کوئی محفل میں ہے
کل وہ ہو گا شیونِ رنجِ فراقِ جان و تن

تیرگی کر دے گی قطع شمعِ ہستی کا فروغ
اور ہو گی یہ بساطِ بزمِ ہستی پُرشکن

ہو تب و تابِ فنا میں جیسے اک مشتِ سپند
اس طرح ہو گا ہر اک گرمِ وداعِ جان و تن

جلوہ ہائے ناز سے دم حسن کا گھٹ جائے گا
ساز کے پردے ہی بن جائیں گے نغمے کا کفن

خیر کا معیار ٹھہرے گی زمانے کی پسند
عدل کی میزان ہو گی جب بدستِ اہرمن

جب دلِ گبر و مسلماں سے حیا اٹھ جائے گی
شغلِ خلوت کے مناظر ہوں گے بہرِ انجمن

فرقِ گیتی پر پڑے گی خاکِ حرمانِ ابد
مرگِ عام اس بیستوں کی ہو گی ضربِ کوہکن

بیٹھ جائے گی بالآخر گردِ پندارِ وجود
اور ہو گا بحرِ توحیدِ عیانی موجزن

میرے ہر اک حرف کی تہ میں ہے غالب میکدہ
ہے کوئی جو ہو مرے دیوان سے مستِ سخن

یہ کس کے غم میں اس کی آنکھ تر ہے
لڑی اشکوں کی جو سلکِ گہر ہے

ادائے دلستانی سے گذر کر
ہوائے جانفشانی کا سفر ہے

نہ ہو جسمِ بلوریں سے وہ رسوا
دلِ لرزاں پہ کیوں سب کی نظر ہے

کہاں وہ شیوہ ہائے دلربائی
وہ اب ناز و ادا سے بے خبر ہے

رقیب از کوچہ گردی آبرویافت — بکوئے دوست دشمن رہبرش ہیں
زمن آئینِ غمخواری پسندید — بہ شبہا جائے من بر بسترش ہیں
گزشت آں کز غمِ ما بیخبر بود — بخویش از خویش بے پروا ترش ہیں
مہِ نو کردہ کاہش پیکرش را — بہ چشمِ کم ہماں مہ پیکرش ہیں
چکد در سجدہ خوں از چشمِ مستتش — گدازشہائے نفسِ کافرش ہیں

برسمِ چارہ جوئی پیشِ غالب
شکایت سنجِ چرخ و اخترش ہیں

اے کہ راندی سخن از نکتہ سرایانِ عجم — چہ بہ ما منتِ بسیار نہی از کرمِ شاں
ہند را خوش نفسانند سخنور کہ بود — باد درخلوتِ شاں مشک فشاں از دمِ شاں
مومن و نیّر و صہبائی و علوی وانگاہ — حسرتی، اشرف و آزردہ بود اعظمِ شاں

غالبِ سوختہ جاں گرچہ نیرزد بہ شمار
ہست در بزمِ سخن ہم نفس و ہمدمِ شاں

حق کہ حق است سمیعست، فلانی بشنو — بشنو گر تو خداوندِ جہانی بشنو
لن ترانی بجوابِ ارنی چند و چرا — من نہ ایم بشناس و تو نہ آنی بشنو
سوئے خودخوان وبخلوت گہِ خاصم جادہ — آنچہ دانی بشمار، آنچہ ندانی بشنو
پردۂ چند بہ آہنگِ نکیسا بسرائے — غزلے چند بہ ہنجارِ فغانی بشنو

خجستہ غیر کی آوارہ گردی
وہ سوئے دوست اس کا راہبر ہے

بسر ہو شب مری بستر پہ اس کے
یہ میری غمگساری کا ثمر ہے

ذرا پروا نہ تھی جس کو ہماری
وہ اپنے حال سے خود بے خبر ہے

ہوا ہے عشق میں گھل کر مہِ نو
وہ پھر بھی ماہ پیکر، سیم بر ہے

رواں سجدے میں ہیں جو اشک خونیں
گدازِ قلبِ مضطر کا اثر ہے

کرے غالب سے وہ شکوہ فلک کا
قیامت گردشِ شام و سحر ہے

شاعری میں ترے ممدوح فقط اہلِ عجم
ان کے دم سے تری دنیا میں سخن کا ہے بھرم

ہند میں خوش نفس ایسے ہیں سخنور موجود
جن کی خلوت کو صبا جانتی ہے رشکِ ارم

مومن وحسرتی، آزردہ و نیر کا کلام
گفتۂ اہلِ عجم سے نہیں تاثیر میں کم

غالبِ خستہ کا ہر چند نہیں ان میں شمار
ہے مگر بزمِ سخن میں وہ ان ہی کا ہمدم

حق تو سنتا ہے سبھی، میری کہانی سن لے
سن لے گر تو ہے خداوندِ جہانی سن لے

لن ترانی سے جوابِ ارنی نامنظور
میں نہ موسیٰ، نہ تو معبودِ جہانی سن لے

خلوتِ خاص میں اک روز بلا کے مجھ کو
عالمِ شوق کے اسرارِ نہانی سن لے

چھیڑ آہنگِ نکیسا میں کوئی دلکش راگ
اور غزل میری بہ اندازِ فغانی سن لے

لختے آئینۂ برابر نہ و صورت بنگر   پارۂ گوش بہ من دار و معانی بشنو

ہرچہ سنجم بتو ز اندیشۂ پیری بپذیر   ہرچہ گویم بتو از عیشِ جوانی بشنو

نامۂ در نیمۂ رہ بود کہ غالب جاں داد
ورق از ہم در و ایں مژدہ زبانی بشنو

گستاخ گشتہ ایم ، غرورِ جمال کو   پیچیدہ ایم سر ز وفا، گوشمال کو

تاکے فریبِ حلم، خدارا خدا نہٗ   آں خوئے خشم گین و ادائے ملال کو

یامی گسست صحبت و یا می فزود ربط   لیکن مرا ملال و ترا انفعال کو

در بادۂ طہور غمِ محتسب کجا   در عیشِ خلد لذتِ بیمِ زوال کو

غالب بہ شعر کم ز ظہوری نیم ولے
عادل شئہ سخن رسِ دریا نوال کو

دولت بہ غلط نبود، از سعی پشیماں شو   کافر نتوانی شد، نا چار مسلماں شو

از ہرزہ رواں گشتن قلزم نتواں گشتن   جوئے بہ خیاباں رو، سیلے بہ بیاباں شو

ہم خانہ بہ ساماں بہ، ہم جلوہ فراواں بہ   در کعبہ اقامت کن، در بت کدہ مہماں شو

سرمایہ کرامت کن وانگاہ بہ غارت بر   برخرمنِ ما برقے، بر مزرعہ باراں شو

جاں داد بہ غم غالب، خوشنودیِ روحش را
در بزمِ عزا مے کش در نوحہ غزل خواں شو

دیکھنا ہے تجھے صورت تو اٹھا آئینہ　　　میرے ہونٹوں سے لگا کان، معانی سن لے
پختہ سالی کا نتیجہ ہیں یہ باتیں میری　　　ان میں تو فلسفۂ عیشِ جوانی سن لے

نامہ تھا راہ میں اور جان سے گذرا غالب
چاک کر خط کو مرے، مژدہ زبانی سن لے

گستاخیوں پہ اب نہ غرورِ جمال ہے　　　نے بے وفائیوں پہ سرِ گوشمال ہے
کب تک فریبِ حلم، خدا تو نہیں ہے تو　　　اب کوئی برہمی، نہ ادائے ملال ہے
الفت ہی ختم ہو گئی یا ربط بڑھ گیا　　　لیکن نہ دکھ مجھے، نہ تجھے انفعال ہے
ہے بادۂ طہور میں کیا محتسب کا غم　　　کب عشرتِ بہشت میں بیمِ زوال ہے

غالب کا شعر نازِ ظہوری ہے پر کہاں
عادل شہِ سخن رسِ دریا نوال ہے

دولت نہیں ملتی یوں، کوشش سے پشیماں ہو　　　کافر نہیں بن سکتا، ناچار مسلماں ہو
بیکار کی یہ گردش قلزم نہ بنائے گی　　　یا جوئے خیاباں بن یا سیلِ بیاباں ہو
یاں نور فراواں ہے، واں عیش کا ساماں ہے　　　کعبے میں اقامت کر، بتخانے میں مہماں ہو
سرمایہ عنایت کر پھر لوٹ اسے ناگہ　　　خرمن پہ گرا بجلی اور کشت پہ باراں ہو

غالب کی روح کو کر خوش بعدِ وفات ایسے
مے بزمِ عزا میں پی، نوحے میں غزل خواں ہو

هلہ من عاشقِ ذاتم ' تنہ نا ہا یاہو — ناظرِ حسنِ صفاتم ' تنہ نا ہا یاہو
موسیٰ و خضر تماشائے تجلّی برطور — من نہ در بندِ جہاتم ' تنہ نا ہا یاہو
شررِ آتشِ رخشندۂ عشقم کہ یکیست — دمِ میلاد و وفاتم ' تنہ نا ہا یاہو
ظلمتِ کفر مبیں ' روشنیِ طبع نگر — چشمۂ آبِ حیاتم ' تنہ نا ہا یاہو
فنِ تحریر بمن نازد و من فارغ ازاں — مرجعِ کلک و دواتم ' تنہ نا ہا یاہو
بر درِ دوست ہمی بیہدہ نالم کہ مباد — رنجد از صبر و ثباتم ' تنہ نا ہا یاہو
پرورش جز بہ خورش نیست ہمانا رازق — بر جگر دادہ براتم تنہ نا ہا یاہو
مجرمِ عالمِ ارواح و بہ پاداشِ عمل — خستۂ قیدِ حیاتم ' تنہ نا ہا یاہو
تکیہ بہ مغفرتِ اوست' نہ بر طاعتِ خویش — تارکِ صوم و صلوٰتم ' تنہ نا ہا یاہو
چشم دارم کہ برہ روئے دھد بیخودے — جز بدیں نیست نجاتم ' تنہ نا ہا یاہو

غالبم تشنۂ تلخاب ' نہ ہمچوں حافظ
مائلِ شاخِ نباتم ' تنہ نا ہا یاہو

بتے دارم از اہلِ دل رم گرفتہ — بہ شوخی دل از خویشتن ہم گرفتہ
ز سفاک گفتن چو گل بر شگفتہ — دریں شیوہ خود را مسلّم گرفتہ
رگِ غمزہ از نیشِ مژگان کشودہ — سرِ فتنہ در زلفِ پُر خم گرفتہ
بہ رخسارہ عرضِ گلستان ربودہ — بہ ہنگامہ عرضِ جہنم گرفتہ
فسون خواندہ و کارِ عیسیٰ نمودہ — پری بودہ و خاتم از جم گرفتہ

عاشقِ ذاتِ خدا ہوں تنہ نا ہا یاہو
ناظرِ حسنِ ادا ہوں تنہ نا ہا یاہو *

ہر جہت اس کی ہے، کیوں طور پہ رکھئے موقوف
طالبِ دیدِ خدا ہوں تنہ نا ہا یاہو

ایک لحظے پہ ہے موقوف مری موت وحیات
شعلۂ برق ادا ہوں تنہ نا ہا یاہو

روشنی طبع کی دیکھو نہ مری ظلمتِ کفر
چشمۂ آبِ بقا ہوں تنہ نا ہا یاہو

میری تحریر کے مشتاق ہیں قرطاس وقلم
نازشِ حسنِ ادا ہوں تنہ نا ہا یاہو

ہو نہ وہ میرے تحمل سے کہیں آزردہ
شاکیِ جور و جفا ہوں تنہ نا ہا یاہو

رزق دیتے ہیں جگر پہ کہ جگر خوائی کروں
آپ ہی اپنی غذا ہوں تنہ نا ہا یاہو

مجرمِ عالمِ ارواح کی دوزخ دنیا
خستۂ بندِ سزا ہوں تنہ نا ہا یاہو

اس کی بخشش پہ ہے تکیہ تو کہاں کی طاعت
تارکِ صوم وصلیٰ ہوں تنہ نا ہا یاہو

کاش ہو بیخودی طاری کہ بچوں پرسش سے
طالبِ عفو و عطا ہوں تنہ نا ہا یاہو

مثلِ حافظ نہیں مطلوب مجھے شاخِ نبات
غالبِ تلخ نوا ہوں، تنہ نا ہا یاہو

وہ بت اہلِ دل سے جسے رم ہوا ہے
گریز اس کو اپنے سے کیا کم ہوا ہے

نہ سفاک کہلا کے کیوں خوش ہو آخر
وہ جور و جفا میں مسلّم ہوا ہے

تری زلف ومژگاں کی آفت کے آگے
سرِ فتنۂ حشر تک خم ہوا ہے

ہے عارض کی نزہت سے جو رشکِ گلشن
وہ تندیِ خو میں جہنم ہوا ہے

فسوں سے کرے وہ کہیں کارِ عیسیٰ
کہیں سارقِ خاتمِ جم ہوا ہے

* معروف ردیف مولانا رومؒ

ز ناز و ادا تن بہ معجر ندادہ
بہ شرم و حیا رخ ز مجرم گرفتہ

دمش رخنہ در زہدِ یوسف فگندہ
غمش گندم از دستِ آدم گرفتہ

گہے طعنہ بر لحنِ مطرب سرودہ
گہے خردہ بر نطقِ ہمدم گرفتہ

بہ بیداد صد کشتہ برہم نہادہ
بہ بازیچہ صد گونہ ماتم گرفتہ

بہ رویش ز گرمی نگہ تاب خوردہ
بہ کویش بہ رفتن صبا دم گرفتہ

نیارد زمن ہیچ گہ یاد ہرگز
مگر خوے خاقانِ اعظم گرفتہ

ظفر کز دمِ اوست در نکتہ سنجی
کہ غالب بہ آوازہ عالم گرفتہ

شاہا بہ بزمِ جشن چو شاہاں شراب خواہ
زر بے حساب بخش وقدح بے حساب خواہ

بزمت بہشت و بادہ حلال است در بہشت
گر باز پرس رو دہد از من جواب خواہ

تو بادشاہِ عہدی و بختِ تو نوجوان
برخور ز عمر و باجِ نشاط از شباب خواہ

در روزہاے فرخ و شبہاے دلفروز
صہبا بہ روزِ ابر و شبِ ماہتاب خواہ

در خور نباشد ارمیِ گلگون بہ ہیچ رو
شربت بہ جامِ لعل ز قند و گلاب خواہ

گل بوی و شعر گوی و گہر پاش و شاد باش
مستی ز بانگِ بربط و چنگ و رباب خواہ

خونِ سیاہِ نافۂ آہو چہ بو دہد
از حلقہ ہاے زلفِ بتان مشکِ ناب خواہ

خواہش ازین گروہِ پری چہرہ ننگ نیست
از چشم غمزہ وز شکنِ طرہ تاب خواہ

از راز ہا حکایتِ ذوقِ نگاہ گوے
از کار ہا کشایشِ بندِ نقاب خواہ

غضب کی ادا میں ہے گو بے حجابی — حیا سے وہ کب رو بہ محرم ہوا ہے

ہے جس حسن سے زہدِ یوسف میں رخنہ — وہی وجہِ عصیانِ آدم ہوا ہے

کبھی لحنِ مطرب سے اس کو شکایت — کبھی نطقِ ہمدم سے برہم ہوا ہے

اسی نے لگائے ہیں کشتوں کے پشتے — وہی غم میں پھر رہنِ ماتم ہوا ہے

جہاں اس کے جلووٴں سے کمھلائیں نظریں — صبا کا گذر بھی وہاں کم ہوا ہے

نہیں یاد کرتا مجھے بھول کر بھی — مگر خو میں خاقانِ اعظم ہوا ہے

ظفر ہی کا احساں سمجھ اس کو غالب
جو تو آج مشہورِ عالم ہوا ہے

شاہا یہ بزمِ جشن ہے شاہانہ پی شراب — زر بے شمار بخش، لُٹا جام بے حساب

جنت یہ بزمِ خاص ہے، جنت میں مے حلال — گر باز پرس ہوتو طلب مجھ سے کر جواب

تو بادشاہِ وقت، ترا بخت نوجواں — رنگیں ہوں ماہ وسال، تجھے باج دے شباب

ہر وقت دورِ جام رہے بزم میں تری — کیا روزِ ابر، کیا تری شبہائے ماہتاب

گزرے گراں جو بادۂ گلگوں مزاج پر — شربت کو ڈال جام میں با قند و با گلاب

گُل سونگھ، شعر پڑھ کے گہر پھینک، شاد ہو — مستی میں جھوم سن کے دف و بربط و رباب

کیا تجھ کو بوئے نافۂ آہو کی احتیاج — جب زلفِ مہوشاں میں مہکتا ہے مشکِ ناب

آنکھوں میں ناز وغمزہ تو زلفوں میں پیچ وخم — حسنِ پری رخاں سے روا کب ہے اجتناب

کر پہلے دل کے راز بیاں ذوقِ دید سے — پھر اپنے دستِ شوق سے شاہا الٹ نقاب

ہر چند خواستن نہ سزاوارِ شانِ تست — قوّت ز طالع و نظر از آفتاب خواہ

در تنگنائے غنچہ کشائش ز باد جوی — در جویبارِ باغ روانی ز آب خواہ

در برگ و ساز گوے نشاط از بہار بر — در بذل وجود بیعتِ خویش از سحاب خواہ

از شمعِ طور خلوتِ خود را چراغ نہ — از زلفِ حور خیمۂ خود را طناب خواہ

از آسمان نشیمنِ خود را بساط ساز — از ماہِ نو جنیبتِ خود را رکاب خواہ

در حقِ خود دعائے مرا مستجاب داں — دربارۂ من از کفِ خود فتحِ باب خواہ

غالب ' قصیدہ را بہ شمارِ غزل در آر
وز شہ برایں غزل رقمِ انتخاب خواہ

از بہرِ خویش ننگم و دارم ز بخت چشم — خود را در آب و آئینہ رخ نا نمودۂ

گمنام و زہد کیشم و خواہم بہ من رسد — در رختِ خواب شاہ بہ مستی غنودۂ

خواہم ز خواب بر رخِ لیلیٰ کشایشں — چشمے نگہ بہ پردۂ محمل نسودۂ

خواہم شود بہ شکوہ و پیغارہ رامِ من — در گونہ گوں ادا بہ زبانہا ستودۂ

بادین و دانشے چومنے تا چہا کند — سجادہ و عمامہ ز صنعاں ربودۂ

با دوستاں مباحثہ دارم ز سادگی — در بابِ آشنائیِ نا آزمودۂ

خجلت نگر کہ در حسناتم نیافتند — جز روزۂ درست بہ صہبا کشودۂ

در بزمِ غالب آ و بہ شعر و سخن گرای
خواہی کہ بشنوی سخنِ ناشنودۂ

زیبا نہیں ہے شان، کو تیری کوئی طلب / قدرت کرے گی خود ترے دلبر کو بے حجاب

بادِ صبا سے غنچۂ دل کھل کے پھول ہو / اور جوئبارِ جاں میں روانی ہو مثلِ آب

سامانِ عیش تیرا بنے رشکِ نو بہار / تیری عطا کو دیکھ کے شرمندہ ہو سحاب

ہو شمعِ طور تیرے شبستاں میں اک چراغ / اور زلفِ حور خیمۂ خلوت کی ہو طناب

یہ فخرِ آسماں کہ ترے قصر کا ہے فرش / یہ نازِ ماہِ نو کہ بنا ہے تری رکاب

جیسے ہو تیرے حق میں دعا میری مستجاب / ہوں میرے حق میں تیری عنایات فتحِ باب

غالب نے یوں قصیدے کو رنگِ غزل دیا
خود طبعِ شاہ ہو گئی مائل بہ انتخاب

خود سے مجھے وہ ننگ ہے، دیکھی نہ ایک بار / آئینے میں جھلک بھی رخِ نامودہ کی

گمنام وزہد کیش ہوں پر آرزو ہے یہ / آمد ہو خواب میں بتِ بیخود غنودہ کی

یہ چاہ رہا ہوں چہرۂ لیلیٰ ہو سامنے / خواہش ہے دیدِ پردۂ محمل کشودہ کی

کیا رام ہو گی شکووں سے طبعِ ثنا پسند / دلدارِ خوش جمال بہ تحسیں ستودہ کی

کیوں مجھ سے بے وسیلہ کے ایماں پہ ہو نظر / اس پختہ کار طاعتِ صنعاں ربودہ کی

کرتا ہوں دوستوں سے عجب سادگی ہے یہ / تعریف آشنائی نا آزمودہ کی

خجلت تو دیکھ نامۂ اعمال میں مرے / نیکی تھی صرف روزہ بہ صہبا کشودہ کی

آ کر شریکِ محفلِ غالب ہو ایک بار
ہے آرزو اگر سخنِ ناشنودہ کی

مر زِ فنا فراغ را مژدهٔ برگ و ساز ده
سایہ بہ مہر واگزار، قطرہ بہ بحر باز ده

طرّهٔ جیب را ز چاک شانهٔ التفات کش
عارضِ خویش را ز اشک غازهٔ امتیاز ده

داغ بہ سینہ زیورست دل بہ جفا حوالہ کن
مے ز شرر گراں تراست سنگ بہ شیشہ ساز ده

از نمِ دیدہ، دیدہ را رونقِ جویبار بخش
و ز تفِ نالہ، نالہ را چاشنیِ گداز ده

شرم کن آخر اے حیا اینہمہ گیرودار چیست
خاطرِ غمزہ باز جو، رخصتِ ترکتاز ده

اے گلِ تر بہ رنگ و بو، اینہمہ نازش از چہ رو
منّتِ ابر یک طرف، مزدِ چمن طراز ده

یا بہ بساطِ دلبری عام مکن ادائے لطف
یا ز نگاہِ خشمگیں مژدهٔ امتیاز ده

اے تو کہ غنچهٔ ترا بحثِ شگفتن از براست
سروِ کرشمہ بار را درسِ خرامِ ناز ده

گر بہ غمے کہ خوردہ ام رخصتِ اشک و آہ نیست
ہم بہ دلے کہ بردهٔ طاقتِ ضبطِ راز ده

اے کہ بہ حکمِ ناکسی تیرہ ز عیشِ غالبی
خیز و ز راہِ داوری بالِ ہما بہ کاز ده

نخواہم از صفِ حوراں ز صد ہزار یکے
مرا بس است ز خوبانِ روزگار یکے

سراغِ وحدتِ ذاتش تواں ز کثرت جست
کہ سائر است در اعدادِ بے شمار یکے

دلا، منال کہ گویند در صفِ عشاق
ستوہ آمدہ از جورِ خوئے یار یکے

دو برقِ فتنہ نہفتند در کفِ خاکے
بلائے جبر یکے، رنجِ اختیار یکے

مرو ز آئینہ خانہ کہ خوش تماشائیست
یکے تو محوِ خودی و چو تو ہزار یکے

چہ شد کہ ریختہ زباں رنگِ صد ہزار سخن
بہ خوں سرشتہ نوائے، ز دل برآر یکے

کشتِ فنا پذیر کو مژدۂ برگ و ساز دے — قطرے کو بحر، سائے کو مہر سے تو نواز دے

شانۂ چاک سے بڑھا، گیسوئے جیب کی کشش — روئے حسیں کو اشک سے غازۂ امتیاز دے

سینے کا حسن داغ ہے، دل کو جفا سے کیا خطر — مے ہے شرر سے قیمتی، سنگ بہ شیشہ ساز دے

اشکِ رواں سے آنکھ کو رونقِ جوئبار بخش — سوزِ دروں سے نالے کو چاشنیِ گداز دے

شرم کر آخر اے حیا، کاہے کو ایسی بندشیں — ناز و ادا پہ رحم کر، رخصتِ ترکتاز دے

اے گلِ تر یہ رنگ و بو، تجھ کو ملے نہیں یونہی — ابرِ کرم کا شکر کر، مالی کو مزدِ ناز دے

یا بہ بساطِ دلبری عام نہ کر ادائے لطف — یا بہ نگاہِ خشمگیں مژدۂ امتیاز دے

غنچے کو تیرے حسن کے، کھلنے کا ہر سبق ہے یاد — سروِ کرشمہ بار کو درسِ خرامِ ناز دے

غم میں اگر نہیں مجھے رخصتِ اشک و آہ بھی — میرے دلِ رمیدہ کو طاعتِ ضبطِ راز دے

غالب کی رفعتِ خیال، دیتی ہے گر تجھے ملال
بالِ ہما کو کاٹ کر درد و غم و گداز دے

نہ چاہوں میں کبھی حورانِ صد ہزار سے ایک — اگر ملے مجھے خوبانِ روزگار سے ایک

سراغِ وحدتِ ہستی کو ڈھونڈ کثرت میں — لزوم رکھتا ہے اعدادِ بے شمار سے ایک

نہ شکوہ کر، ترے نالوں سے لوگ سمجھیں گے — کہ تنگ آیا ستمہائے خوئے یار سے ایک

یہ دو ہی فتنے تھے جن سے قیامتیں ٹوٹیں — بلائے جبر سے اک، رنجِ اختیار سے ایک

ہے خودنمائی کا نیرنگ آئینہ خانہ — ہزار عکس ترے اور تو ہزار سے ایک

سخن ہزار ہوں رنگیں، سوا نہیں ہوتے — لہو سرشتہ نوائے دلِ فگار سے ایک

دم از ریاستِ دہلی نمی زنم غالب
منم ز خاک نشینانِ آں دیار یکے

تابم ز دل برد کافر ادائے — بالا بلندے ، کوتہ قبائے
از خوے ناخوش دوزخ نہیبے — وز روے دلکش مینولقائے
چوں مرگِ ناگہ بسیار تلخے — چوں جانِ شیریں اندک وفائے
درکام بخشی ممسک امیرے — در دلستانی ، مبرم گدائے
در کینہ ورزی تفسیدہ دشتے — در مہربانی بستاں سرائے
از زلفِ پر خم مشکیں نقابے — از تابشِ تن زرّیں ردائے

در عرضِ دعویٰ لیلیٰ نکوہے
بر رغمِ غالب مجنوں ستائے

بہ دل ز عربدہ جائے کہ داشتی داری — شمارِ عہدِ وفائے کہ داشتی داری
بہ لب چہ خیزد؟ از انگیزِ وعدہ ہائے وفا — بہ دل نشستِ جفائے کہ داشتی داری
تو کے ز جور پشیماں شدی؟ چہ میگوئی — دروغِ راست نمائے کہ داشتی داری
بسینہ چوں دل و در دل چو جاں خزیدی و باز — نگاہِ مہر فزائی کہ داشتی داری
عتاب و مہرِ تو از ہم شناختن نتواں — خرد فریب ادائے کہ داشتی داری
خرابِ بادۂ دو شینۂ ، سرت گردم — ادائے لغزشِ پائے کہ داشتی داری

نہیں رئیسوں میں دہلی کے نام غالب کا
فقیرِ راہ نشیں ہے وہ اس دیار سے ایک

قیامت ہے ظالم کی کافرادائی
وہ اس قدِ بالا پہ کوتہ قبائی
ہے دوزخ نمائی جو خوئے جفا میں
تو ہے روئے دلکش میں مینولقائی
کبھی مرگِ ناگاہ کی اس میں تلخی
کبھی جانِ شیریں کی اندک وفائی
بخیلی میں راحت نہ دے وہ کسی کو
نہ بے دل لیے جائے ایسی ڈھٹائی
ہے آزار میں اس کے صحرا کی سوزش
مگر مہربانی میں بستاں سرائی
وہ اس زلفِ پُرخم کی مشکیں نقابی
وہ اس تابشِ تن کی زریں ردائی
کبھی زعم میں دے وہ لیلیٰ کو طعنے
کبھی ضد میں غالب کی مجنوں ستائی

ہے میرے دل میں ستمگر تری وہ جا اب بھی
شمارِ عہد سے ہے گو خجل وفا اب بھی
وفا کے وعدے ہوں لب پر تو اس سے کیا حاصل
کہ تیرا دل تو ہے آمادۂ جفا اب بھی
تو اور جور پہ نادم، کسے یقین ہو گا
دروغِ راست نما ہے ترا کہا اب بھی
سما گئی ہے دل وجاں میں گو تری الفت
نگاہِ ناز کا جادو ہے دلربا اب بھی
عتاب و مہر میں تیرے کچھ امتیاز نہیں
خرد فریب ہے تیری ہر اک ادا اب بھی
مئے دوشینہ سے ظالم وہ لڑکھڑانا ترا
وہی ہے سحر تری مست چال کا اب بھی

به کردگار نگردیدی و هماں به فسوس حدیثِ روزِ جزائے که داشتی داری
کرشمه بار نهالے که بودهٔ هستی بسر ز فتنه هوائے که داشتی داری
هنوز ناز پئے غمزه گم نداند کرد ادائے پرده کشائے که داشتی داری

جهانیاں ز تو برگشته اند گر غالب
ترا چه باک خدائے که داشتی داری

اگر به شرعِ سخن درمیاں بگردانی زسوئے کعبه رخِ کارواں بگردانی
به نیم ناز که طرحِ جهانِ نو فگنی زمیں بگستری و آسماں بگردانی
به یک کرشمه که بر گلبنِ خزاں ریزی بهار را به درِ بوستاں بگردانی
به خاطرے که در آئی به جلوه آرائی بلائے ظلمتِ مرگ از رواں بگردانی
به بیمِ خوئے خودم درعدم بخوابانی به ذوقِ روئے خودم در جهاں بگردانی
به بذله خاطرِ اسلامیاں بیازاری به جلوه قبلهٔ زردشتیاں بگردانی

❀

زاهد که و مسجد چه و محراب کجائی عید است و دمِ صبح ، مئے ناب کجائی
بوئے گل و شبنم نسزد کلبهٔ مارا صرصر تو کجا رفتی و سیلاب کجائی
حشر است و خدا داور و هنگامه به پایاں اے شکوهٔ بے مهریِ احباب کجائی

❀

آنکه جوید از تو شرم و آں که خواهد از تو مهر تقویٰ از میخانه و داد از فرنگ آردهمی

روش میں فرق ہے کوئی نہ کچھ خیالِ خدا
مگر ہے لب پہ وہی قصۂ جزا اب بھی
کرشمہ باری میں کچھ بھی کمی نہیں آئی
تری روش ہے اسی طرح فتنہ زا اب بھی
ہنوز ناز کی غمزے میں ہے وہ آمیزش
کہ پردہ در ہے ستمگر تری ادا اب بھی

زمانہ تجھ سے جو برگشتہ ہو گیا غالب
نہ رنج کر کہ ترے ساتھ ہے خدا اب بھی

ہو گر مسائلِ شرع پہ گفتگو تیری
رہِ حرم سے رخِ کارواں بدل ڈالے
جہانِ تازہ کی گر ہو تجھے بنا منظور
نئی زمین بچھے، آسماں بدل ڈالے
خزاں پہ چھوٹ پڑے گر ترے کرشمے کی
بہارِ گل سے رخِ گلستاں بدل ڈالے
ہو جلوہ آرا اگر خاطرِ فسردہ میں
حیاتِ نو سے غمِ مرگِ جاں بدل ڈالے
کسی کو برہمی تیری دکھائے خوابِ عدم
کسی کا شوقِ لقا سے جہاں بدل ڈالے
ہو تیرے طنز سے آزردہ خاطرِ مسلم
ادا سے قبلۂ زردشتیاں بدل ڈالے

❁

کیوں مجھ سے کہو مسجد و محراب کہاں ہے
ہے عید کی یہ صبح مئے ناب کہاں ہے
کیا گلبۂ احزاں کو مرے شبنم و گل سے
صرصر کہاں خوابیدہ ہے، سیلاب کہاں ہے
کچھ کہتے نہیں داورِ محشر کے حضور آپ
وہ شکوۂ بے مہریِ احباب کہاں ہے

❁

وہ جو تجھ سے آرزو رکھے حیا و مہر کی
تقویٰ میخانے سے چاہے اور داد افرنگ سے

نشنیدہ لذّتِ تو فرو می رود بہ دل　　اے حرف، محوِ لعلِ شکر خای کیستی

❁　　❁

فرقے ست نہ اندک ز دلم تا بہ دلِ تو　　معذوری، اگر حرفِ مرا زود نیابی

❁　　❁

زین نقشِ نو آئیں کہ برانگیختہ غالب
کاغذ ہمہ تن وقفِ سپاسِ قلمستے

❁　　❁

از جسم بجاں نقاب تا کے　　ایں گنج دریں خراب تا کے
ایں گوہرِ پُر فروغ یارب　　آلودۂ خاک و آب تا کے
ایں راہروِ مسالکِ قدس　　واماندۂ خورد و خواب تا کے
بیتابیِ برق جز دمے نیست　　ما ویں ہمہ اضطراب تا کے
جاں در طلبِ نجات تاچند　　دل در تعبِ عتاب تا کے
پرسش ز تو بے حساب باید　　غمہائے مرا حساب تا کے

غالب، بہ چنیں کشاکش اندر
اے حضرتِ بوترابؓ تا کے

کیوں بے سنے ہی تو مرے دل میں اتر گیا　　　اے حرف، کس کے لعلِ شکر خا میں محو ہے

۞

ہم دونوں میں جو فرق ہے کچھ کم تو نہیں ہے　　　معذور ہے گر تو مرے اشعار نہ سمجھے

۞

وہ نقشِ نو آئین کہ غالب نے نکھارا
قرطاس پہ اک دائمی احسانِ قلم ہے

۞

ہو جسم ، جاں پر نقاب ، کب تک　　　یہ گنجِ رہنِ خراب کب تک
یہ گوہرِ پُر فروغ یارب　　　آلودۂ خاک و آب کب تک
مسالکِ قدس کا یہ رہرو　　　واماندۂ خورد و خواب کب تک
بیتابیِ برق ایک پل ہے　　　ہمیں مگر اضطراب کب تک
جاں کو طلبِ نجات کی دُھن　　　دل کو تعبِ عتاب کب تک
ہے پرسشِ بے حساب لازم　　　غموں کا میرے حساب کب تک
غالب اور ایسی کشمکش میں
اے حضرتِ بوترابؓ کب تک

افتخار احمد عدنی

افتخار احمد عدنی نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۴۸ء میں مضمون ''گیرودار'' لکھ کر کیا جس کی اشاعت ''ادب لطیف'' میں ہوئی۔ انہوں نے ۱۹۴۹ء میں ایک ہنگامہ خیز تنازعے میں جمیل الدین عالی کے طرفدار کی حیثیت سے جناب عزیز احمد جیسے ادیب کے مشہور افسانوں ''کٹھ پتلیاں'' اور ''درباری'' پر ماہنامہ ساقی میں دو استہزائیہ تحریریں شائع کیں۔ ۱۹۵۰ء میں پاکستان سول سروس میں شریک ہوئے اور وہ مختلف مضامین لکھتے رہے۔ انہوں نے ۱۹۶۲ء اور اس کے بعد پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور، کے سیکریٹری جنرل کی حیثیت سے جسٹس ایم آر کیانی کی تمام انگریزی اور اردو کی تحریروں کی تدوین اور اشاعت کا کام سنبھالا۔ ۱۹۸۷ء میں اپنی یادداشتیں ''ایک محشرِ خیال'' کے عنوان سے شائع کیں۔ بعد میں ظ۔ انصاری کے علاوہ جوش ملیح آبادی، جگر مرادآبادی اور حضرت بابا ذھین شاہ تاجی سے متعلق یادداشتیں تحریر کرتے رہے جو کہ تین سال تک ماہنامہ ''قومی زبان'' میں شائع ہوتی رہیں۔ ۱۹۹۵ء اور ۱۹۹۸ء میں عدنی صاحب کی دو کتب ''غالب شناسی کے کرشمے'' اور ''غالب کی فارسی غزلوں سے انتخاب ترجموں کے ساتھ'' شائع ہوئیں۔ ان کی چوتھی کتاب ''غالب نقش ہائے رنگ رنگ'' پیش ہے جو کہ غالب کی فارسی غزلوں کے اردو میں ترجمہ پر مشتمل ہے۔